هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ

ماهنامه — کراچی

البلاغ

سرپرست:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

دار العلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ البلاغ کراچی

مدیر اعلیٰ
محمد تقی عثمانی

مدیر انتظامی
خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری

جلد ۲

شمارہ ۹

رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

دسمبر ۱۹۶۸ء

فی پرچہ : ۵۰ پیسے ــــــ سالانہ : ۶ روپے

غیر ممالک سے : ایک پونڈ سالانہ ہوائی ڈاک سے : ۳ پونڈ سالانہ

ڈاک کا پتہ ــــــ ماہنامہ "البلاغ" دار العلوم کراچی ۱۴ فون ۳۸۱۱۶

ہندوستانی خریدار مندرجہ ذیل پتہ پر چندہ ارسال فرما کر ڈاک خانہ کی رسید ہمیں بھیج دیں
رسالہ ان کے نام جاری کر دیا جائے گا

مولانا ظہور الحسن صاحب ۔ خانقاہ امدادیہ ۔ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
(یو۔پی)

ترتیب

ذکر و فکر	محمد تقی عثمانی	۳
معارف القرآن		
سورۂ النحل از آیت ۲۴	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۶
مقالات و مضامین		
دشمنانِ رسولؐ خدا کی نفسیات	ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب	۱۱
روزہ میں عبادت کا مقام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۱۸
روزہ قرآن کریم کی روشنی میں	مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی	۲۱
منکرات رمضان	مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری	۲۵
اس مہینے میں	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	۲۹
تاثرات	جناب ملا واحدی	۳۱
مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں	محمد حفیظ اللہ پھلواروی	۳۴
اسلام اور آدابِ معاشرت	جناب حکیم محمد سعید صاحب	۳۹
مسافرانِ آخرت		
مولانا شبیر علی صاحب تھانوی رح اور مولانا عبد الودود صاحب رح	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۴۱
مستقل عنوانات		
دل کی دنیا	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۴۳
خواتین اسلام	مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری	۴۷
آپ کے سوال	مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی	۴۹
مغربی تہذیب	محمد معروف	۵۵
طلباء کی محفل		
امام زُفر بن ہذیل رح	محمد علی	۵۶
نقل و تبصرہ		
(تفسیر ماجدی، مقام صحابہ رض)		۵۹
شعبۂ تخصص فی الفقہ والافتاء	مولانا سبحان محمود صاحب	۶۴

ذکر و فکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمیزِ رنگ و بو برما حرام است

حمد و ستائش اس ذات کیلئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے اس جہاں میں حق کا بول بالا کیا

پچھلے دنوں راقم الحروف کو وطن عزیز کے مختلف حصوں میں جانے کا اتفاق ہوا اور مختلف حلقوں سے تبادلۂ خیال رنے کا موقعہ ملا۔ اس سفر سے جہاں بے شمار فوائد حاصل ہوئے، وہاں اس بات کا بھی اندازہ ہوا کہ کچھ عرصہ سے ملک میں ھض بڑے خطرناک رجحانات پیدا ہو رہے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان رجحانات کا بیج کچھ بیرونی عوامل نے بویا ہے ور ملک کے باشندے ان کے پورے پس منظر اور نتائج و عواقب سے بے خبر بڑی سادہ لوحی کے ساتھ ان کے پیچھے چل پڑے ہیں۔

ان رجحانات میں سب سے زیادہ خطرناک رجحان "نسلی اور صوبائی تعصب" کا رجحان ہے جو بیک وقت ملک کے تقریباً تمام حصوں میں ابھرنے لگا ہے۔ اور ایک طبقہ ہے جو مسلسل اسے ہوا دینے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ اس صورتِ حال وہم اس لئے انتہائی خطرناک سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں جب بھی نسلی اور لسانی تعصب نے فروغ پایا ہے۔ مسلمانوں ے اجتماعی وجود کے لئے اس سے زیادہ مہلک اور کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی۔ دشمنانِ اسلام کا یہ معمول رہا ہے کہ جب کبھی ہوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ مسلمانوں پر براہِ راست حملہ آور ہونے سے عاجز ہیں، انھوں نے مسلمانوں کے درمیان لک و نسل کے فتنے جگانے کی کوشش کی ہے تاکہ خود مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے درمیان نفرت کی دیواریں حائل وجائیں۔ اور وہ باہمی خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر یہ سوچ ہی نہ سکیں کہ ان کا دشمن کن سرگرمیوں میں مصروف ہے؟ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی دشمنانِ اسلام کا یہ داؤ چل گیا ہے، مسلمان کو ہمیشہ زک اٹھانی پڑی ہے اور بعد میں کفِ افسوس ملنے کے والے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

کوئی فتنہ کبھی فتنے کے نام سے سامنے نہیں آتا، نہ کوئی سازش کبھی سازش کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ہر فتنہ ہمیشہ کسی

دلکش لبادے میں لپیٹ کر سامنے آتا ہے، اور بسا اوقات انسان کو یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی فتنے کا شکار ہو رہا ہے۔ "تعصب" کا معاملہ بھی یہی ہے کہ کوئی مسلمان کبھی "تعصب" کے نام سے اُسے پسند نہیں کر سکتا، اس لئے وہ ہمیشہ "حقوق" کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے، سکھانے والا کبھی مسلمان کو یہ نہیں سکھائے گا کہ چونکہ تم سندھ کے باشندے ہو اس لئے تمہیں پنجاب کے باشندوں سے نفرت کرنی چاہئے۔ بلکہ اس کے سکھانے کا انداز ہمیشہ یہ ہوگا کہ پنجاب تمہارا بھائی ہے، مگر اس نے تمہارے حقوق کو پامال کیا ہوا ہے، تمہیں اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ۱...... اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ بس سکھانے اور پڑھانے کا یہی طریقہ آج بھی اختیار کیا جا رہا ہے۔

جن حق تلفیوں کی بنیاد پر اس قسم کے نعرے بلند کئے جاتے ہیں وہ سراسر جھوٹ اور افسانہ نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں سے بعض بالکل سچی بھی ہوتی ہیں، ان کی بنا پر ملک کے ایک خطے کو دوسرے خطے سے پوری دیانتداری کے ساتھ صحیح شکایتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور یہ حکومت کا فرض ہے کہ ان شکایات پر حقیقت پسندی کے ساتھ غور کر کے انہیں رفع کرے۔ لیکن ان شکایتوں کی بنیاد پر "صوبائی خود مختاری" کی راہ تجویز کرنا وہ سراسر تخریبی اندازِ فکر ہے جس کا نتیجہ باہمی نفرت، افتراق اور انتشار کے سوا کچھ نہیں۔

ماضیٔ قریب میں بھی ہم نے اس علاقائی تعصب کے ہاتھوں ایسا کاری زخم کھایا ہے جو ہزار کوششوں کے باوجود اب تک نہیں بھر سکا۔ خلافتِ عثمانیہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک مشترکہ حصار تھی۔ اگرچہ اپنے آخری دور میں اس میں بہت سی خامیاں اور کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں، لیکن اس کا یہ فائدہ بہرحال پورے عالمِ اسلام کو پہنچ رہا تھا کہ اس کے ذریعہ تمام مسلمانوں کا شیرازہ بندھا ہوا تھا، اور دشمنوں کو اس پر بری نظر ڈالنے سے پہلے ایک بار جھرجھری ضرور آجاتی تھی، مگر دشمنوں نے یہاں بھی "عربی" اور "ترکی" کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ علاقائی خود مختاری کے نعرے بلند ہوئے، باہمی خانہ جنگیاں شروع ہوئیں، اور بالآخر قومیت کے ہتھوڑے نے مسلمانوں کی اس مضبوط چٹان کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

پاکستان میں ہزار باتیں قابلِ ترمیم و اصلاح سہی، لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا میں اس کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ کچھ عرصے سے پورے عالمِ اسلام کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں اور دنیا بھر کے مظلوم و مقہور مسلمانوں نے اس کے استحکام کو اپنی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بنایا ہوا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد میں پاکستان نے اللہ کے فضل و کرم سے جس مثالی اتحاد، عزم اور شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے اس نے دنیا بھر میں اسلام دشمن عناصر کے کان کھڑے کر دیئے ہیں، پاکستان کا اتحاد و استحکام ان کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اور وہ ہر آن اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کی یہ اُبھرتی ہوئی قوت ——— خاکم بدہن ——— دب کر ختم ہو جائے۔

ان حالات میں پاکستان کے باشندوں کو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہے، اس مرحلے پر دشمنوں کے داؤ پیچ سے بچنے کے لئے جذبات سے زیادہ سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک باعزت قوم کی طرح زندہ رہیں اور پورے عالمِ اسلام کی ان توقعات کو پورا کریں جو انہوں نے ہم سے وابستہ کی ہوئی ہیں تو ہر خوش آواز نعرے کے پیچھے چل پڑنے کی طفلانہ عادت ہمیں چھوڑنی ہو گی۔

آجکل علاقائی عصبیت کا جو رجحان ملک کے مختلف حصوں میں نمودار ہو رہا ہے اسے پہلے ہی قدم پر دبانے کے لئے چند باتیں ضروری ہیں۔ اول تو حکومت کو چاہئے کہ وہ ہر خطے کی جائز شکایات کو ایجی ٹیشن کی نوبت آنے سے قبل ہی رفع کر دیا

پوری کوشش کرے اور کسی خاص خطّے کے ساتھ ترجیحی سلوک کے ادنیٰ شائبہ کو بھی گوارا نہ کرے، تاکہ عصبیت کے اس رجحان کو کوئی جائز بنیاد میسّر نہ آسکے۔ دوسرے ہر خطّے کے عوام کو چاہئے کہ اگر انھیں کچھ معقول شکایات ہیں تو ٹھہر کر فہم کر انکے لئے تعمیری تدابیر اختیار کریں۔ اور پوری ملت کے اجتماعی مفاد کی خاطر ان شکایات کو علاقائی افتراق کی بنیاد نہ بنائیں، اور موجودہ زمانہ میں اتحاد اور یک جہتی کی اہمیت کو کما حقہٗ محسوس کریں، ہمیں ہر آن یہ بات سامنے رکھنی چاہئے کہ پاکستان کے پانچ مختلف خطوں کی مثال ایک ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی سی ہے۔ ہر انگلی صرف اس وقت تک مفید، مضبوط اور مستحکم ہے جبتک وہ دوسری انگلیوں کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے، ان میں سے جس انگلی کو بھی الگ کیا گیا تو اس سے ہاتھ کو نقصان بعد میں پہنچیگا وہ انگلی پہلے بیکار ہو جائے گی۔

تیسرے ہماری ناقص رائے میں ہر خطّے کے علمائے کرام کا فرض ہے کہ وہ علاقائی عصبیت کے نعروں کی کُھل کر مخالفت کریں، اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس جذبے کے جراثیم کو ختم کرنے کی پوری کوشش اور اس معاملے میں حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کا مظاہرہ فرمائیں۔

یہاں ایک بات حکومت کے توجہ کرنے کی ہے، اور وہ یہ کہ پاکستان میں رنگ و نسل کے بتوں کو ہمیشہ کے لئے توڑ ڈالنے کا پائیدار اور مؤثر طریقہ صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ یہاں اسلام کے صرف نام کو نہیں بلکہ اس کی حقیقت اور روح کو صحیح طریقے سے بروئے کار لایا جائے۔ افسوس ہے کہ ہم ابھی تک اس روشن حقیقت کا پوری طرح احساس نہیں کر سکے ابھی تک ہم اسلام کے صرف نام سے کام چلانا چاہتے رہیں، جس دن ہم نے صدقِ دل سے اسلام کی حقیقت کو اپنا لیا، دنیا کھلی آنکھوں دیکھ لے گی کہ رنگ و نسل کا امتیاز کس طرح مٹا کرتا ہے! یہ صرف اور صرف اسلام ہے جو پانچ مختلف معاشروں کو یک جان کر کے ہمیشہ کے لئے ان کے دل میں یہ بات جاگزیں کر سکتا ہے کہ ؎

تمیزِ رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

رمضان کی مبارک ساعتیں ایک بار پھر ہم پر سایہ گستر ہونے والی ہیں، یہ وہ مہینہ ہے جس کا انتظار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین ماہ پہلے سے کیا کرتے تھے، رحمتوں کے اس موسم بہار کی صحیح قدر و قیمت تو وہی حضرات پہچان سکتے ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے عبادت کا ذوقِ سلیم عطا فرمایا ہے، ہم جیسے کور ذوق لوگ اس کی کیا قدر کر سکتے ہیں مگر اتنا اطمینان ضرور ہے کہ قارئین "البلاغ" کی برادری میں ایسے صاحبِ دل حضرات کی کمی نہیں ہے جو رمضان کے اوقات کی قدر پہچانیں گے۔ ایسے حضرات سے خصوصاً، اور تمام قارئین سے عموماً یہ التجا ہے کہ وہ اس ماہ کے مخصوص اوقات میں عالمِ اسلام کی صلاح و فلاح، قبلۂ اول کی بازیابی اور پاکستان کی ظاہری و باطنی ترقیات کے لئے خاص طور سے دعا فرمائیں، نیز اپنی دعاؤں میں دارالعلوم، اہل دارالعلوم اور اس ناچیز کو فراموش نہ فرمائیں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد تقی عثمانی
۲۵ر شعبان ۸۸ھ

سُورۃ النحل

وإذا قيل لهم ماذا انزل ربكم قالوا اساطير الاولين (۲۴) ليحملوا اوزارهم
كاملة يوم القيامة ومن اوزار الذين يضلونهم بغير علم الا ساء ما يزرون (۲۵)
قد مكر الذين من قبلهم فاتى الله بنيانهم من القواعد فخر عليهم السقف
من فوقهم واتهم العذاب من حيث لا يشعرون (۲۶) ثم يوم القيامة يخزيهم و
يقول اين شركاءى الذين كنتم تشاقون فيهم قال الذين اوتوا العلم ان الخزى
اليوم والسوء على الكافرين (۲۹)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں وہ تو محض کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں سے چلی آرہی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اٹھانا پڑے اور جن کو یہ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے ان کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا ہوگا۔ خوب یاد رکھو کہ جس گناہ کو یہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ برا بوجھ ہے جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں انھوں نے بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں تو اللہ نے ان کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے ڈھا دیا پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی۔ اور ان پر عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو اس طرف گمان بھی نہ تھا۔ پھر قیامت کے دن اللہ تعالٰے ان کو رسوا کرے گا اور یہ کہے گا کہ اب وہ کہاں ہیں۔ جن کو تم میرا شریک ٹھیرا کر جھگڑا کرتے تھے۔ علم والے کہیں گے کہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے جن کی جان فرشتوں نے حالت کفر پر قبض کی تھی، پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہ کرتے تھے۔ کیوں نہیں بیشک اللہ تعالٰی کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ سو جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو۔ غرض تکبر کرنے والوں کا وہ برا ٹھکانا ہے۔

ربط آیات وخلاصہ تفسیر

پچھلی آیتوں میں اللہ تعالٰے کی نعمتیں اور تخلیق عالم میں یکتا ہونے کا ذکر کرکے مشرکین کی اپنی گمراہی کا بیان تھا۔ ان آیات میں دوسروں کو گمراہ کرنے اور اس کے عذاب کا

بیان ہے۔ اور اس سے پہلے ایک سوال قرآن کے متعلق ہے۔ اور اس سوال کے مخاطب تو یہاں مشرکین ہیں اور انھیں کا جاہلانہ جواب یہاں ذکر کرکے ان پر وعید بیان کی گئی ہے اور پانچ آیتوں کے بعد یہی سوال مؤمنین متقین کو خطاب کرکے کیا گیا اور ان کا جواب اور اس پر وعدہ انعامات کا ذکر ہے۔

قرآن کریم نے یہ نہیں کھولا کہ سوال کرنے والا کون تھا اس لئے مفسرین کے اس میں اقوال مختلف ہیں کسی نے کافروں کو سوال کرنے والا قرار دیا کسی نے مسلمانوں کو کسی نے ایک سوال مشرکین کا اور دوسرا مؤمنین کا قرار دیا۔ لیکن قرآن کریم نے اس کو مبہم رکھ کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس بحث میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ سوال کس کی طرف سے تھا دیکھنا تو جواب کا اور اس کے نتیجہ کا ہے جن کا قرآن نے خود بیان کر دیا ہے۔

مشرکین کی طرف سے خلاصہ جواب یہ ہے کہ انھوں نے اسی کو تسلیم نہیں کیا کہ کوئی کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا بھی ہے بلکہ قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیا۔ قرآن کریم نے اس پر یہ وعید سنائی کہ یہ ظالم قرآن کو کہانیاں بتلا کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس کا یہ نتیجہ ان کو بھگتنا پڑے گا کہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا وبال تو ان پر پڑنا ہی ہے جن کو یہ گمراہ کر رہے ہیں ان کا بھی کچھ وبال ان پر پڑے گا۔ اور پھر فرمایا کہ گناہوں کے جس بوجھ کو یہ لوگ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے۔

اور انھوں نے جو دوسروں کو گمراہ کرنے کی تدبیر نکالی ہے کہ قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں بتلا کر ایمان کا راستہ روکا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے گمراہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں بڑی بڑی تدبیریں کیں سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیروں کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے ڈھا دیا اور وہ اپنی تدبیریں ایسے ناکام ہوئے جیسے کسی پر مکان کی چھت آ پڑے اور وہ اس کے نیچے دب کر رہ جائے اور اس ناکامی کے علاوہ ان پر خدا تعالیٰ کا عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو اس طرف کا گمان بھی نہ تھا۔ یہ حالت تو ان کی دنیا میں ہوئی پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اولین و آخرین کے مجمع میں رسوا کرے گا۔ اسی رسوائی کا ایک پہلو یہ بھی ہوگا کہ ان سے سوال کیا جائے گا کہ جن بتوں یا جن لوگوں کو تم خدائی میں شریک ٹھیرا کر جھگڑے کیا کرتے تھے آج وہ کہاں ہیں تمہارے کوئی کام تو نہیں آتے یہاں ان کی اس حالت کو دیکھ کر حق کو جاننے اور ماننے والے کہیں گے کہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے جنکی جان فرشتوں نے حالت کفر میں قبض کی تھی۔

ان لوگوں کے متعلق اہل علم کا یہ قول درمیان کلام میں شاید اس لئے لایا گیا ہے کہ کفار کی رسوائی کا عام اور علانیہ ہونا معلوم ہو جائے۔ اس کے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ یہ کافر لوگ محشر کے ہولناک حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد انبیاء سے صلح کا پیغام ڈالیں گے یعنی اپنے کفر و شرک اور مخالفت انبیاء سے صاف مکر جائیں گے۔ اور کہنے لگیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام جس میں ذرا بھی مخالفت ہو نہیں کرتے تھے اس کو صلح کا پیغام اس لئے کہا گیا کہ آج انبیاء کی بات کو ماننے اور مخالفت نہ کرنے کا دم بھر رہے ہیں۔ جیسا دوسری ایک آیت میں ان کا قول یہ نقل کیا گیا ہے واللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین مگر اب بات ماننے اور اطاعت کرنے کا وقت گذر چکا ہے اس لئے یہ ایک اور جرم ہے کہ جرم کرکے اس سے انکار پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا۔ کیوں نہیں بلکہ تم تو ہمیشہ انبیاء کی مخالفت کرکے برے کام کرتے چلے آئے ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو۔ آخر کلام میں ان کے انجام بد کو ان الفاظ سے

بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ کے خلاف تکبر کرنے والوں کا یہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

یہاں تک ماذا انزل ربکم کا سوال جو مشرکین سے کیا گیا تھا اس کا گمراہ کن جواب اور اس کے انجام بد کا بیان تھا۔ آگے یہی سوال مؤمنین متقین سے کرکے ان کا جواب بیان کیا گیا ہے۔

والذین ہاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنہم فی الدنیا حسنۃ ط ولاجر الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون ﴿۴۱﴾ الذین صبروا وعلیٰ ربہم یتوکلون ﴿۴۲﴾

اور جنھوں نے ترک وطن کیا اللہ کے واسطے ظلم سہنے کے بعد البتہ ان کو ہم ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا۔ جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

تشریح و تفسیر

الذین ہاجروا۔ ہجرت سے مشتق ہے، ہجرت کے لغوی معنی ترک وطن کے ہیں ترک وطن جو اللہ کے لئے کیا جائے وہ اسلام میں بڑی طاعت و عبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا یعنی ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کردیتی ہے جو انسان نے ہجرت سے پہلے کئے ہوں۔

یہ ہجرت بعض صورتوں میں فرض و واجب اور بعض صورتوں میں مستحب و افضل ہوتی ہے اس کے مفصل احکام تو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۹۷ الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا کے تحت بیان .... اس جگہ صرف ان وعدوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے کئے ہیں

احکام و معارف

کیا ہجرت دنیا میں بھی فراخیٔ عیش کا سبب ہوتی ہے آیات مذکورہ میں چند شرائط کے ساتھ مہاجرین کے لئے دو عظیم الشان وعدے کئے گئے ہیں اول تو دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دینے کا، دوسرے آخرت کے بے حساب ثواب عظیم کا دنیا میں اچھا ٹھکانا ایک نہایت جامع لفظ ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجر کو سکونت کے لئے مکان اور پڑوسی اچھے ملیں، یہ بھی داخل ہے کہ اس کو رزق اچھا ملے۔ دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہو۔ عام لوگوں کی زبان پر ان کی تعریف اور بھلائی ہو۔ عزت و شرف ملے جو ان کے خاندان اور اولاد تک چلے۔ (قرطبی)

آیت کا شان نزول اصالۃً وہ پہلی ہجرت ہے جو صحابۂ کرام نے حبشہ کی طرف کی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہجرت حبشہ اور اس کے بعد کی ہجرت مدینہ منورہ دونوں اس میں داخل ہوں آیت میں بیان انھیں مہاجرین حبشہ یا مہاجرین مدینہ کا ہے اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ انھیں حضرات صحابہ کیلئے تھا جنھوں نے حبشہ کی طرف یا پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ دنیا میں پورا ہو چکا جس کا سب نے مشاہدہ کرلیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ان کا کیسا اچھا ٹھکانا بنا دیا۔ ایذا دینے والے پڑوسیوں کے بجائے غمخوار ہمدرد جان نثار پڑوسی ملے۔ دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہوا۔ ہجرت پر تھوڑا ہی عرصہ گذرنے کے بعد ان پر رزق کے دروازے کھولدیئے فقراء و مساکین مالدار ہوگئے دنیا کے ممالک فتح ہوئے۔ ان کے حسنِ اخلاق حسن عمل کے کارنامے رہتی دنیا تک ہر موافق و مخالف کی زبان پر ہیں۔ ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت و شرف بخشا۔ یہ تو دنیا میں ہونے والی چیزیں تھیں جو ہوچکی۔ اور آخرت کا وعدہ پورا ہونا بھی یقینی ہے۔ لیکن تفسیر بحر محیط میں ابوحیان کہتے ہیں۔

والذین ہاجروا عموم فی المہاجرین
کائنا ما کانوا فیشمل اولہم واٰخرہم
(ص ۴۹۲، ج ۵)

الذین ہاجروا کا لفظ تمام مہاجرین عالم کے لئے عام اور شامل ہے کسی خطے اور کسی زمانے

کے مہاجر ہوں اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت تک اللہ کے لئے ہر ہجرت کرنیوالا اس میں داخل ہے

عام تفسیری ضابطہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آیت کا شان نزول اگرچہ کوئی خاص واقعہ اور خاص جماعت ہو مگر اعتبار عموم لفظ ہوتا ہے اس لئے اس وعدہ میں تمام دنیا کے اور ہر زمانے کے مہاجرین شامل ہیں اور یہ دونوں وعدے تمام مہاجرین کے لئے پورا ہونا امر یقینی ہے۔

اسی طرح کا ایک وعدہ مہاجرین کے لئے سورۂ نساء کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا و سعۃ. جس میں وسعت مکانی اور فراخی عیش خاص طور سے موعود ہیں۔ مگر قرآن کریم نے ان وعدوں کے ساتھ مہاجرین کے کچھ اوصاف اور ہجرت کی کچھ شرائط بھی بیان فرمائی ہیں اس لئے ان وعدوں کے مستحق وہی مہاجرین ہو سکتے ہیں جو ان اوصاف کے حامل ہوں اور جنہوں نے مطلوبہ شرائط پوری کر دی ہو۔

ان میں سب سے پہلی شرط تو فی اللہ کی ہے یعنی ہجرت کرنے کا مقصد صرف اللہ تعالےٰ کو راضی کرنا ہو اس میں دنیا وی منافع تجارت، ملازمت وغیرہ اور نفسانی فوائد پیش نظر نہ ہوں۔ دوسری شرط ان مہاجرین کا مظلوم ہونا ہے من بعد ما ظلموا تیسرا وصف ابتدائی تکالیف و مصائب پر صبر اور ثابت قدم رہنا ہے الذین صبروا چوتھا وصف تمام مادی تدبیران کا اہتمام کرتے ہوئے بھی بھروسہ صرف اللہ پر رکھنا ہے کہ فتح و نصرت اور ہر کامیابی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وعلیٰ ربھم یتوکلون.

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی مشکلات و تکالیف تو ہر کام میں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ان کو عبور کرنے کے بعد بھی اگر کسی مہاجر کو اچھا ٹھکانا اور اچھے حالات نہیں ملے تو قرآن کے وعدے میں شبہ کرنے کے بجائے اپنی نیت و اخلاص اور اس حسن عمل کا جائزہ لے جس پر یہ وعدے کئے گئے ہیں تو اس کو معلوم ہوگا کہ قصور اپنا ہی تھا۔ کہیں نیت میں کھوٹ ہوتا ہے کہیں صبر و ثبات اور توکل کی کمی ہوتی ہے۔

امام قرطبی نے اس جگہ ہجرت اور ترک وطن کی قسمیں اور ان کے کچھ احکام پر ایک مفید مضمون تحریر فرمایا ہے اتمام فائدہ کے لئے اس کو نقل کرتا ہوں۔

حدیث: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی دروازہ رمضان ختم ہونے تک نہیں کھولا جاتا ہے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جن میں سے کوئی دروازہ (ختم رمضان تک) بند نہیں کیا جاتا ہے اور خدا کی طرف سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے خیر کے طلب کرنے والے آگے بڑھ اور اے شر کے تلاش کرنے والے رک جا اور بہت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ سے آزاد کرتے ہیں اور ہر رات ایسا ہی ہوتا ہے (ترمذی عن ابی ہریرہؓ) اور ایک روایت میں ہے کہ جب رمضان داخل ہوتا ہے تو رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

روزے اور قرآن بندہ کے لئے سفارش کریں گے، روزے کہیں گے اے رب ہم نے اس کو دن میں کھانے سے اور دیگر خواہشات سے روک دیا لہذا اس کے حق میں ہماری سفارش قبول فرمایئے۔ قرآن عرض کریگا کہ میں نے رات کو اسے سونے نہ دیا لہذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمایئے۔ چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کرلی جائے گی۔ (بیہقی فی الشعب عن عبداللہ بن عمرؓ)

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی شہرۂ آفاق کتاب "اظہار الحق"

دنیا کی چھ زبانوں کے بعد پہلی بار اردو کے حسین لباس میں

بائبل سے قرآن تک

"اگر یہ کتاب دنیا میں پڑھی جاتی رہی تو
مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی" ——— (لندن ٹائمز)

مولانا اکبر علی صاحب استاذ دار العلوم کراچی نے عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور
محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ نے چار سال کی عرق ریزی کے بعد
اسے تشریح و تحقیق کے حسین سانچے میں ڈھالا ہے

بائبل کیا ہے ؟ ——— بائبل میں تحریف کے ناقابل انکار دلائل ——— عقیدۂ تثلیث و کفارہ پر عقلی و نقلی بحث
نسخ کا مسئلہ ——— قرآن کی حقانیت ——— آنحضرت کی رسالت پر مبسوط مباحث

شروع میں مدیر البلاغ کے قلم سے دو سو سے زائد صفحات کا ایک سیر حاصل مقدمہ
جس میں عیسائیت کے بارے میں فیصلہ کن بحثیں کی گئی ہیں۔

ضخامت ١٥٠٠ سے زائد صفحات ——— تین جلدوں میں
جلد اول ٦٢٠ صفحات ——— قیمت پندرہ (١٥) روپے

جلد اول چھپ چکی ہے، مندرجہ ذیل داروں سے حاصل کی جا سکتی ہے

دار الاشاعت کراچی ——— ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

اور

مکتبہ دار العلوم کراچی ١٤

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

فرانسیسی سے ترجمہ: جناب محمد حسن عسکری

دشمنانِ رسولِ خدا کی نفسیات

میں جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ لکھنے اور قرآن شریف کا ترجمہ کرنے میں مصروف تھا (یہ دونوں کتابیں فرانسیسی میں ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئیں) تو مجھے بار بار اپنے آپ سے یہ سوال پوچھنا پڑتا تھا۔ فلاں شخص کا عمل ایسا کیوں ہے؟ بعض دفعہ چند ایسے واقعات بھی میرے سامنے آتے رہے جن سے ان مشکل سوالوں پر روشنی پڑتی تھی۔ میں ایسی چیزوں کو یہاں یک جا کر رہا ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس قسم کا کام ابھی تک کسی نے نہیں کیا۔ لہٰذا اس مضمون میں کچھ نقائص ضرور رہ گئے ہوں گے۔ بہرحال جو تھوڑی بہت معلومات مجھے حاصل ہوئی ہیں انھیں کسی لمبے چوڑے دعوے کے بغیر پیش کرتا ہوں۔ قارئین کرام اپنی معلومات کی بنا پر اس میں بیش قیمت اضافے خود ہی کرلیں گے۔

اس سلسلے میں یوں تو اچھا خاصا مواد بھی جمع ہو گیا ہے لیکن میں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں کی نفسیات پر مضمون لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کی وجہ ایک اور بھی ہے۔ یہ بات تو آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر کوئی بادشاہت کا دعوے دار ہو تو اس کے ہم عصروں میں طرح طرح کے حسد اور رقابت کے جذبے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر روحانی مصلح اور پیغمبر صورتاً تو کسی کی کوئی چیز بھی نہیں چھیننا چاہتا ہے اور دوسرے لوگوں کو زیر کرنا چاہتا ہے بلکہ اس کے برخلاف اس کا واحد مقصد تو سلسلۂ انسانوں کی فلاح و بہبود ہوتا ہے، اور وہ کوئی مادی یا غیر مادی انعام بھی طلب نہیں کرتا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عربوں کی طرف سے جس ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑا وہی کچھ پہلے پیغمبروں کو بھی اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیش آیا۔

قصہ مختصر، اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ بعض دشمن تو کھلم کھلا سامنے آئے، اور بعض دوستوں کی شکل بنا کر آئے۔ اسی لیے ہم غیر مسلموں کا بھی ذکر کریں گے۔ اور ان لوگوں کا بھی جنھیں بجا طور پر منافق کہا جاتا ہے۔ پہلے گروہ میں قریبی رشتے دار بھی شامل ہیں اور اجنبی بھی۔ عرب بت پرست بھی اور یہودی اور عیسائی بھی۔ ہم مکمل فہرست پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ ہر گروہ کے چند نمائندوں کا حال مثال کے طور پر بیان کریں گے۔

ابولہب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے ایک ابولہب تھا جو ساتھ ہی ددھیالی رشتے سے آپ کا چچا بھی تھا، عرب کے معاشرتی دستور کا تقاضا یہ تھا کہ آدمی کو اپنے قبیلے والوں کی موافقت ہر معاملے میں کرنی چاہیے۔ اچھائی میں بھی اور برائی میں بھی، اور اپنے کسی رشتے دار نے چاہے بے انصافی یا ظلم ہی کیا ہو، مگر اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ علاوہ ازیں تبلیغ شروع کرنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

...اق کی وجہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہو چکا تھا، مثلاً
...ب کے ساتھ مہربانی کا سلوک، بڑوں کی عزت، چھوٹوں
...شفقت، محتاجوں پر عنایت۔

مگر اس کے باوجود جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
...م لوگوں کو تبلیغ شروع کرنے سے پہلے اپنے کام کی ابتدا اس
...کم خداوندی کی تعمیل سے کی ——
...انذر عشیرتک الاقربین (سورت ۲۶ - آیت ۲۱۴)
...پنے قبیلے اور نزدیک والوں کو ڈراؤ، اور اس مقصد
...کے لئے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا تو صرف ایک شخص
...تھا جو مخالفت کے لئے اٹھا۔ اور ایک لمحہ کے توقف کے بغیر
...جل کے کھڑا ہو گیا، اور یہ ابولہب تھا!

(بلاذری "انساب" جلد اول ص ۱۱۸-۱۱۹)

...س کی مخالفت میں ذرا کمی نہیں آئی بلکہ اس کے مرنے تک
...روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ ایسا کیوں ہوا، حالانکہ ہمیں ایسی
...کایتیں بھی ملتی ہیں جن سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ابولہب
...فیاض، فراخ دل اور ملنسار آدمی تھا۔

(ابن حبیب، محبّر ص ۱۳۷ - دیوان حسّان ابن ثابت
...نظم ۳۹ پر ذیلی حاشیہ ص ۱۵ تا ۵۷)

ہمارے سوال کے لئے مندرجہ ذیل قصہ خاص اہمیت
...رکھتا ہے:-

"انساب" جلد اول صفحہ ۱۳۰ - ۱۳۱) میں بلاذری
...نے لکھا ہے —— "ایک دن ابولہب اور ابوطالب میں
...جھگڑا ہو گیا، ابولہب نے ابوطالب کو زمین پر گرا دیا،
...اور سینہ پر چڑھ کر طمانچے مارنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ ماجرا دیکھا تو آپ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپؐ نے ابولہب
کا بازو اور پرسے پکڑ کے اسے زمین پر گرا دیا۔ اب یہ ہوا کہ ابو
طالب نے اس کے سینے پر چڑھ کے طمانچے لگانے شروع کئے
اس پر ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے
کہا —— "یہ بھی تیرا چچا ہے اور میں بھی تیرا چچا ہوں، پھر
تو نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں نہ کیا! خدا کی قسم اب
میرے دل میں تیرے لئے کوئی جگہ نہیں رہی!"

ماخذ سے ہمیں نہ تو اس واقعے کی تاریخ معلوم ہوتی
ہے نہ دوسری تفصیلات۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسے زمانہ
کا واقعہ ہے کہ جب یہ دونوں بھائی جوان تھے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کم عمر تھے۔

ابوجہل ——

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے "ہمارے زمانے کا فرعون"
کہا کرتے تھے (بلاذری "انساب" ج اول ص ۲۹۹)
اس کا لقب پہلے تو ابوالحکم یعنی "حکمت کا باپ" تھا، جو
بعد میں ابوجہل یعنی "جہالت کا باپ" ہو گیا۔ شہر مکہ کی
انتظامی مجلس کی کارروائی میں صرف انھیں لوگوں کو حصہ لینے کا
حق ملتا تھا جن کی عمر چالیس سال یا اس سے زیادہ ہو۔ مگر
ابوجہل کو "رائے کی پختگی اور عقلمندی" کی وجہ سے تیس سال
کی عمر میں ہی رکنیت مل گئی (ابن دُرَید۔ "اشتقاق" ص ۹۰)
ابن حبیب نے اپنی کتاب "منمق" (میں مخطوطہ مخصوص ص ۲۶)
اس کا ذکر مکہ کے ان لوگوں کے ضمن میں کیا ہے جو سخاوت
کے لئے مشہور تھے۔ اور مثال کے طور پر یہ قصہ بھی سنایا
ہے (ص ۲۷۱ - ۲۷۲) کہ ایک سال اناج کی کمی پڑی
لیکن زائرین قبیلے یا طبقے کی کسی تفریق کے بغیر ایک بہت
بڑی اور ٹھاٹ دار حویلی میں داخل ہوتے جس کے دو مختلف
دروازے تھے، تو وہاں انھیں ایک شخص مسند پر بیٹھا ہوا
ملتا۔ گندمی رنگ، چہرے پر ہلکے سے بال، چمکتا ہوا ابھرا
سیاہ جبّہ میں ملبوس، ہاتھ میں عصا۔ وہاں بھورے رنگ
کی بڑی بڑی قابیں رکھی ہوتیں جن میں اونٹ کے کلیجے، گردے
اور کوہان کا گوشت ہوتا"۔ راوی جس کا تعلق سلیم کے قبیلے
سے ہے آگے قصہ سناتا ہے کہ "ہم سب سے پہلے داخل
ہوئے اور سب سے آخر میں باہر نکلے۔ میں اپنے بھائی سے
پہلے سیر ہو گیا تو میں نے اس سے کہا —— اب تو اٹھو:

نہ کر سکے کہ تیرا پیٹ کبھی نہ بھرے! مسند پر جو شخص بیٹھا تھا اس نے یہ سن کر اپنا سر اٹھایا اور کہا "نہیں اجیب! تم میری نہ پوچھو کوئی نہ اٹھے، آخر یہ کھانا اسی لئے تو رکھا گیا ہے کہ لوگ کھائیں۔ اب میں نے دیکھا کہ یہ شخص بھوکا ہے۔ ہم دوسرے دروازے سے باہر چلے گئے، اور وہاں ہم نے دیکھا کہ اونٹ ذبح ہو رہے ہیں۔ ہم نے لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ اونٹ بھی اسی عام دعوت کے لئے کاٹے جا رہے ہیں، اور مکان کے مالک کا نام عمرو ابن ہشام ابوالحکم ہے۔"

اس شخص یعنی ابوجہل کی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت نہ ہو سکی۔ اس تضاد کو سمجھنے میں شاید مندرجہ ذیل دو حکایتوں سے کافی مدد ملے گی۔

(۱) ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت سعد ابن وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ زبید کا ایک یمنی کعبہ شریف کے سامنے پہنچا اور بلند آواز سے فریاد کرنے لگا "قریش کے لوگو، تم کیسے توقع رکھتے ہو کہ کھانے پینے کا سامان اور تجارت کا مال تمہارے یہاں آئے گا؟ تم لوگ تو سامان لانے والوں پر ظلم کرتے ہو۔" کسی نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی۔ مختلف گروہوں کے پاس سے ہوتا ہوا آخر وہ اس جگہ پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا۔ "تیرے اوپر کس نے ظلم کیا ہے؟"

یمنی نے جواب دیا۔ "ابوالحکم نے۔ وہ تین اونٹ خریدنا چاہتا تھا، اور میرے پاس جتنے اونٹ ہیں ان میں یہ بہترین ہیں۔ میں انھیں خسارے کے ساتھ بیچنے پر راضی نہیں ہوا۔ اب اس کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی انھیں خریدتا ہی نہیں۔ اس نے میرا کاروبار ایسا خراب کیا ہے کہ سنبھلتا ہی نہیں۔ اس طرح اس نے مجھے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ اونٹ کہاں ہیں؟"

یمنی نے جواب دیا کہ۔ "الحزورہ کے پاس ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اونٹ خرید لئے اور دو اونٹوں کو اتنے داموں میں بیچ دیا جتنے یمنی نے تینوں کے مانگے تھے، پھر آپ نے تیسرا اونٹ بھی بیچ دیا، اور اس کی پوری قیمت عبدالمطلب کے خاندان کی بیواؤں کے لئے عطا فرما دی۔ ابوجہل بھی بازار کے ایک کونے میں کھڑا تھا، مگر وہ بالکل خاموش رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بڑھے اور فرمایا۔ "عمرو خبردار جو آئندہ کسی کے ساتھ ایسی حرکت کی جیسی اس بدو کے ساتھ کی ہے! ورنہ مجھے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرنا پڑے گا جو تمہیں پسند نہیں آئے گا۔" ابوجہل جواب میں یہ فقرہ بار بار دہراتا رہا۔ "محمدؐ میں ایسی حرکت پھر کبھی نہیں کروں گا!" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے تو امیہ ابن خلف اور دوسرے مشرکین جو وہاں موجود تھے ابوجہل کے پاس آئے اور کہنے لگے "تم نے محمدؐ کے سامنے ایسی عاجزی دکھائی کہ معلوم ہوتا تھا تم بھی انہی کا دین اختیار کرنے والے ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "میں تو اس کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا لیکن اس وقت تو میں اس کا جاہ دیکھ کر دب گیا۔ اس کے دائیں بائیں چند لوگ تھے جن کے ہاتھ میں نیزے تھے اور وہ اپنے نیزے ہلا ہلا کر مجھے دھمکا رہے تھے، اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو بس میرا کام تمام تھا۔" (بلاذری "انساب" جلد اول ص ۱۳۰)

(۲) روایت ہے کہ عراشہ قبیلے کا ایک آدمی اپنے

اونٹ لیکر مکہ آیا۔ ابوجہل نے اونٹ خرید لئے مگر پیسے دینے میں دیر کی۔ یہ شخص قریش کی چوپال (نادی) میں پہنچا اور کہنے لگا

"قریش کے لوگو، میں غریب الوطن اور مسافر ہوں۔ ابوالحکم نے مجھ سے اونٹ خریدے ہیں لیکن پیسے دینے میں دیر لگا رہا ہے اور خواہ مخواہ میرا راستہ کھوٹا کر رہا ہے۔ اس سے مجھے بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔ تم لوگوں میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو میرے ساتھ اس کے پاس چلے اور میرے جو دام اس پر واجب ہیں وہ اس سے دلوادے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے بطور مسخر اس تاجر سے کہا — "وہاں جو آدمی بیٹھا ہے اسے دیکھتے ہو؟ اس کے پاس جاؤ۔ تمہارے جو دام واجب ہیں انہیں بس یہی شخص وصول کرا کے دے سکتا ہے۔"

تاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا — "اے محمدؐ، میں غریب الوطن مسافر ہوں۔" پھر اپنا پورا قصہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس کے ساتھ ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اندر سے پوچھا — "کون ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں ہوں محمدؐ ابن عبداللہ، ذرا باہر آؤ۔" وہ دروازہ کھول کے باہر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا — "اس شخص کے تم پر جو دام واجب ہیں وہ ادا کردو۔" اس نے کہا۔ "اچھا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — "جب تک تم اسے دام نہیں دوگے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" ابوجہل گھر میں گیا اور جتنے پیسے واجب تھے وہ لاکر اس شخص کو دیدیئے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے۔ تاجر پھر قریش کی چوپال میں آیا اور بولا — "اللہ محمدؐ کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے بڑی آسانی سے میرا حق مجھے دلوا دیا" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اس کے بعد جب ابوجہل چوپال میں پہنچا تو لوگوں نے اس سے کہا — "یہ تم نے کیا کیا؟ خدا کی قسم ہم نے تو اس آدمی کو محمدؐ کے پاس صرف اس لئے بھیجا تھا کہ ہم اس سے مذاق کرنا چاہتے تھے۔" ابوجہل نے جواب دیا۔ "بس رہنے دو۔ خدا کی قسم جیسے ہی اس نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا میرے تو حواس باختہ ہوگئے۔ میں اس سے ملنے کے لئے باہر نکلا تو اس کے ساتھ ایک ایسا اونٹ تھا کہ ایسا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ کتنے کا سا سر اور دانت کھلا ہوا منہ جیسے لپکنے والا ہو۔ خدا کی قسم، اگر میں بات ماننے سے انکار کرتا تو وہ مجھے چبا ڈالتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس آدمی کے دام فوراً ادا کردیئے۔" لوگوں نے کہا — "یہ بھی محمدؐ کا جادو ہے۔" (ابن ہشام، "سیرت" صفحہ ۲۵۷۔ بلاذری "انساب" جلد اول ص ۱۲۸-۱۲۹)

ابوجہل سے کسی دوست نے انکار اسلام کا سبب پوچھا تو کہا — "پرانے زمانے میں جب کبھی قبیلہ بنی ہاشم نے کوئی قابل فخر کام کیا تو میرے قبیلے نے بھی ویسا ہی یا اس سے بڑھ کر کارنامہ دکھایا۔ فیاضی دکھائی، غریب پروری کی وغیرہ وغیرہ۔ اب وہ فخر کرتے ہیں ان میں خدا نے ایک رسول مبعوث کیا ہے۔ اس کا بھلا اب میرا قبیلہ کہاں مقابلہ کر سکتا ہے اور جوابی پیغمبر پیدا کر سکتا ہے؟ نہیں، میں اسے کبھی نہیں مانوں گا کہ بنی ہاشم کو یہ فخر حاصل ہوا ہے۔" اس قصے سے معلوم ہوگا کہ کم ظرفی، غرور اس کی عداوت کا باعث تھا۔

ابن اُبی

مدینے میں دو بہت بڑے قبیلے تھے، اوس اور خزرج۔ جن کے درمیان قرابت تو تھی لیکن رقابت بھی شدید تھی۔ پچھلی کئی نسلوں سے ان کے درمیان خونریز جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ابن اُبی خزرج قبیلے کا تھا۔ ابن ہشام (مذکورہ بالا کتاب ص ۴۱۱) لکھتے ہیں

"اسلامی دور شروع ہونے تک نہ تو ابن اُبی سے پہلے اور نہ اس کے بعد اوس اور خزرج میں اتنی موافقت کبھی نہ ہو سکی کہ دونوں ایک ہی شخص کی اطاعت کریں۔ اس معاملے میں اگر کوئی استثناء ہے تو خود ابن اُبی؛ اتنی مقبولیت اسی کو

کہ جو کچھ ذہنی ادبی تہذیب تک کسی آدمی میں کردار کی بلندی، عیر جانب دارانہ انصاف پسندی وغیرہ خوبیاں نہ ہوں۔ اس کے باوجود اسے تاریخ میں ابن اُبی کو منافقوں کی جماعت کا سردار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مدینے کے کسی اور شخص کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی جتنی اس کی طرف سے۔ ابن ہشام (ص ۷۳۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ معاملہ افک میں بہتان طرازی کی سب سے زیادہ ذمہ داری ابن اُبی پر تھی۔ عمر بھر اس کی یہی کوشش رہی کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو۔ کیوں؟ شاید مندرجہ ذیل واقعہ اس کا سبب ہو:۔

بہت سے مآخذ کے بقول جن میں بخاری (صحیح ۲۰۱۷۵)، طبری (تفسیر سورت ۶۳ آیت ۸ "تاریخ" جلد اول ص ۱۵۱۱)، ابن ہشام ("سیرت" ص ۳۰۴، ۴۱۲)، اور سُہیلی (روض الانف جلد دوم ص ۵۰) بھی شامل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لانے سے ذرا ہی پہلے لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ابن اُبی کو مدینے کا بادشاہ بنا دیا جائے اور سناروں سے اس کے لئے ایک تاج بنانے کے لئے بھی کہہ دیا گیا تھا، جب مدینے والوں نے اسلام قبول کر لیا تو یہ تجویز یوں ہی رہ گئی۔

الجدّ ابن قیس

ابن حبیب ("محبّر" ص ۴۷۹) اور ابن ہشام ("سیرت" ص ۳۶۰ اور ۴۹۸) قبیلۂ خزرج کے الجدّ ابن قیس کا شمار منافقوں میں کرتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں (سورت ۹ آیت ۴۹) یہ اسی کا قول نقل ہوا ہے ——
ائذن لی ولا تفتنی (مجھے اجازت دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالئے)
[illegible]

اُس نے جو حرکتیں کیں ان کی وجہ سمجھنے کے لئے مندرجہ [illegible] ملاحظہ ہوں۔ دیکھئے ابن ہشام ("سیرت" ص ۳۰۹)

اور بلاذری ("انساب" جلد اول ص ۲۴۳) یہ قصہ سناتے ہیں۔ ہجرت سے ذرا پہلے العقبہ کی مشہور و معروف مجلس میں بہتر آدمیوں نے حلف اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ مدینے والوں کی بارہ جماعتیں تھیں، حضورؐ نے ہر ایک کے لئے سردار مقرر فرمایا۔ قبیلہ بنو سلمہ کے بارے میں ہمارے ماخذ ابن ہشام بتاتے ہیں کہ اس قبیلے کا نقیب یعنی سردار بشر ابن البراء ابن معرور ہوا تھا۔ اس کی نامزدگی کا واقعہ اس طرح پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا —— "آج کل تمہارا سردار کون ہے؟" انھوں نے کہا —— "الجدّ ابن قیس، حالانکہ یہ شخص لالچی بہت ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا —— "لالچ سے بڑا عیب اور کونسا ہو سکتا ہے؟ تمہارا سردار یہ گندمی رنگ کا گھنگریالے بالوں والا آدمی بشر ابن البراء ہوگا۔"

عیسائی راہب ابو عامر

ابو عامر کا تعلق مدینے کے دوسرے قبیلے یعنی اوس سے تھا[1]۔ اس کا بیٹا حنظلہ بڑی جلدی اسلام لے آیا تھا۔ وہ بالکل نوجوان تھا، اور اس نے اپنی دلہن کے ساتھ صرف ایک ہی رات گزاری تھی، اسے غسل کرنے کا وقت بھی نہیں ملا اور وہ سیدھا جا کے جنگِ اُحد میں شریک ہوا، اور صبح سویرے ہی شہید ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے "غسیل الملائکہ" کا خطاب عطا فرمایا (یعنی جس شخص کو فرشتوں نے غسل دیا ہو) اس کا باپ ابو عامر بھی دوسری جانب سے جنگ میں شریک تھا، اور اہم خدمات اس کے سپرد تھیں۔ جنگ کے بعد وہ اپنے بیٹے کی لاش کے پاس گیا، اور (بقولِ بلاذری، "انساب" جلد اول ۳۲۶) کہا —— "اسی لئے تو میں تجھے اس شخص (یعنی رسول اللہ

[1] دیکھئے میرا مضمون "پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل" جلد ۷ شمارہ ۴ سنہ ۱۹۵۹ء ص ۲۳۱ تا ۲۴۰

صلی اللہ علیہ وسلم بہت دو۔ کہتا تھا: اور ایسی ہی موت سے تجھے ڈراتا تھا۔ خدا کی قسم تیرے طور طریقے کیسے شریفانہ تھے اور تو اپنے ماں باپ کے ساتھ کیسی اچھی طرح پیش آتا تھا اگر اچھے عادات و اطوار اچھی تربیت کا نتیجہ ہیں، اور اگر اچھی تربیت وہی والدین دے سکتے ہیں جو خود بھی اچھے اخلاق رکھتے ہوں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابو عمیر بھی بلند کردار کا مالک اور قابلِ عزت آدمی ہوگا۔ بہر حال اس میں ذہنی تجسس تو تھا ہی۔ حالانکہ وہ بت پرستوں کے خاندان میں پیدا ہوا تھا، لیکن (بقول بلاذری "انساب" جلد اول ۲۰۰) وہ اہل کتاب سے مل کر ان سے مباحثے کیا کرتا تھا، اور عیسائی راہبوں کی طرف وہ خاص طور سے مائل تھا۔ اسی لئے اس نے راہبوں سے ملنے کی خاطر کئی دفعہ شام اور فلسطین کا سفر کیا تھا۔ مذہب سے اتنے شغف کے باوجود پھر یہ کیسے ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت نہ کر سکا، اور عیسائی راہب ہونے کے باوجود اس نے تلوار اٹھائی، باقاعدہ لڑائیوں میں حصہ لیا اور مرتے دم تک مخالفت پر اڑا رہا؟

ہیثم ابن عدی نے جو تاریخ لکھی تھی وہ تو اب ضائع ہو چکی ہے، لیکن اس کا ایک معنی خیز اقتباس ہمیں بلاذری کے یہاں ملتا ہے۔ ("انساب" ج اول ۲۸۲)

وہ لکھتے ہیں ــ "ابو عمیر خود بھی نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع فرمائی اور آپ کو کامیابی حاصل ہونے لگی تو ابو عمیر کے دل میں بڑا حسد پیدا ہوا" ابن ہشام ("سیرت" ص ۴۱۱ - ۴۱۲) کے یہاں بھی چند دوسری تفصیلات ملتی ہیں جن کا تعلق اسی بات سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ابو عمیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس موقع پر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی :-

ابو عمیر ــــ یہ کونسا دین ہے جو تم پیش کرتے ہو؟

رسول اللہ ــــ دین حنیف۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین۔

ابو عمیر ــــ لیکن یہ تو میرا دین ہے۔

رسول اللہ ــــ نہیں ہرگز نہیں۔

ابو عمیر ــــ ضرور ہے۔ محمدؐ یہ تمہیں نے اس دین میں ایسی چیزیں شامل کی ہیں جو اس میں نہ تھیں۔

رسول اللہ ــــ ہرگز نہیں، بلکہ میں تو اس دین کو بغیر کسی آمیزش کے خالص ترین شکل میں لے کر آیا ہوں۔

ابو عمیر ــــ اچھا تو جو بھی جھوٹا ہو اُسے اللہ پردیس میں عزیز و اقارب سے دور موت نصیب کرے۔

رسول اللہ ــــ بالکل ٹھیک ہے، جو بھی جھوٹ بول رہا ہو اسے اللہ تعالیٰ ایسی ہی موت نصیب کرے۔

اور ایسی موت ابو عمیر کو نصیب ہوئی۔

اپنی فرانسیسی تصنیف "محمدؐ اور دنیا کا خاتمہ" میں کاسانووا (CASANOVA) لکھتا ہے (ص ۲۸)

"بہر حال ہمارے اس خیال کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں (یحییٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرح۔ جلد اول ۱۹ ــ ۲۸) عیسائیوں کو پیغمبر کے آنے کا پورا یقین تھا، عرب روایت تو شاید جانب داری کی وجہ سے اس معاملہ میں خاموش ہے لیکن پیغمبر کے آنے کا مسیح کی واپسی اور یوم حساب سے لازمی اور گہرا تعلق تھا" ہیثم ابن عدی کی حکایت پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ بہت سی حکایتیں موجود ہیں (ابن حبیب "محبر" ص ۱۳۰ ــ بلاذری: "انساب" جلد اول ۵۳۸) جو اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ تمیم کے علاقہ میں، کنانہ اور سلیم کے یہاں، یمن اور مدینہ وغیرہ میں آخری پیغمبر کے آنے کا انتظار ہو رہا تھا۔

یہودی کعب ابن الاشرف

وہ مدینے کے قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ ابن ہشام (سیرت" ص ۲۹۵) کے بقول، ایک رات کسی نے اُسے آواز دی۔ وہ سونے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ نیچے مت جائیے۔ اس آواز میں کچھ شرارت محسوس ہوتی ہے مگر اس نے کپڑے بھی نہ بدلے، بس ایک چادر اوڑھی اور بولا ـــــ "اگر کسی بہادر آدمی کو باہر بلایا جائے تو چاہے نیزے کا وار ہی کیوں نہ کھانا پڑے لیکن وہ انکار نہیں کر سکتا۔" ابن معنف بتاتے ہیں (صفحہ ۱۵۳) کہ اس شخص کا باپ قبیلہ نبہان سے تھا جو قبیلہ طے کی ایک شاخ ہے۔ لیکن اس کی ماں مدینے کے نضیری قبیلے کی تھی۔ نبہان قبیلے میں یہودی بھی شامل تھے یا نہیں؟ بہرحال غیر قبیلے کا ہونے کے باوجود وہ بنو نضیر کا سردار اور ان کی عدالت کا سربراہ بن گیا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی ذہنی صلاحیتوں کا مالک تھا۔

مگر وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت نہ کر سکا۔ بلکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے وہ اتنا دل شکستہ ہوا کہ اس نے اسلام کے دشمنوں کی بہادری اور ان کی خوبیوں کی مدح میں اشعار کہے۔ پھر وہ خاص طور سے مکہ گیا اور وہاں کے لوگوں کو انتقامی جنگ کے لئے اُبھارا۔ آخر اتنی نفرت اس کے دل میں کیوں پیدا ہوئی؟ مندرجہ ذیل واقعہ دیکھئے جو خاصا معنی خیز ہے۔

ابن ہشام (سیرت" ص ۳۹۷)؛ ابن کثیر (تفسیر جلد دوم ۶۰) اور دوسرے مصنفوں کے بقول مدینے کے یہودیوں میں مختلف قبیلوں کے درمیان مساوات نہ تھی۔ مگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے آدمی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تو خون بہا کی مقررہ مقدار کی صرف آدھی رقم دینی پڑتی۔ لیکن اگر معاملہ الٹا ہوتا تو قریظہ کے آدمی کو پوری کی پوری رقم مقتول نضیری کے رشتہ داروں کو دینی پڑتی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں اسلامی حکومت قائم کی اور یہودیوں کی مختلف جماعتیں بھی تابع دستوں کے طور پر اس میں شامل ہو گئیں تو حضور نے حقوق اور فرائض کے معاملے میں یہودیوں کے درمیان بھی مساوات کا اصول جاری فرما دیا۔ مقاتل نے اپنی تفسیر میں (مخطوطہ استانبول) سورہ ۵ کی آیت ۴۲ کے ضمن میں یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قتل کا ایک مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے حکم فرمایا کہ مجرم نضیری خون بہا کی مقررہ رقم پوری ادا کرے۔ اس پر نضیریوں کا سردار کعب ابن الاشرف جو اپنے قبیلے کی عدالت کا سربراہ بھی تھا اور اس حیثیت سے کچھ وظیفہ بھی پاتا تھا، بگڑ بیٹھا اور چیخ کر بولا ـــــ "نہیں، ہم تمہارا فیصلہ قبول نہیں کرتے اور نہ آئندہ قبول کریں گے۔ ہم تو اپنے پرانے رسم و رواج ہی پر چلیں گے۔"

بقیہ "روزہ"

ہمارے اعمال سے غنی ہے۔ اس نے روزہ جو ہم پر فرض کیا ہے اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اس طرح اس تقویٰ کی جڑ کٹ جاتی ہے جو بت پرستوں اور اہل کتاب میں عام تھا۔ لَعَلَّ۔ توقع اور امید کے معنی میں آتا ہے، اور یہ توقع و امید مخاطبین کے اعتبار سے ہے متکلم کے اعتبار سے نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے متقی بنانے کا سامان تیار کر دیا ہے، اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا کر متقی بنتے ہو یا نہیں۔ جو شخص روزہ کے پورے حقوق و آداب سرانجام دے گا اور عبادت کی نیت اور جذبہ ایمان سے اس اہم عبادت کی ادائیگی کرے گا اس کا روزہ اس کو متقی اور پرہیزگار بنا دے گا اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کو سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

روزہ میں عبادت کا مقام

(ایک نشری تقریر)

روزہ ایک ایسا مفید عمل ہے کہ اس کے مفید ہونے پر حکما، اطبا، اور مذہب و ملت کے ماننے والے متفق ہیں۔ نقطۂ نظر اپنا اپنا علیحدہ ہے۔ حکیم و ڈاکٹر روزہ کو اس لئے مفید بتاتے ہیں کہ وہ بدن انسانی کی صحت کا اور بیشتر اندرونی امراض سے حفاظت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اہل مذاہب اس کو اس لئے مفید کہتے ہیں کہ وہ روحانی تندرستی کا بہترین ضامن اور انسان کو گناہوں سے تنقیہ کرنے میں نسخۂ اکسیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا آباد ہے ہر مذہب و ملت میں روزہ کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے گو اس کی صورتیں مختلف مذاہب میں مختلف ہیں۔ اس کی بڑی وجہ شاید یہ ہے کہ روزہ جس طرح خود ایک عظیم عبادت اور غیر محدود ثواب کا موجب ہے اسی طرح وہ انسان کو دوسری عبادات کے قابل بنانے اور ان کے لئے مہیا کرنے میں ایک خاص اثر رکھتا ہے۔ جس کا جی چاہے یہ تجربہ کرے کہ ایک گناہ کے چھوڑنے کی کوشش انسان کرتا رہتا ہے کامیابی نہیں ہوتی۔ لیکن روزہ کی حالت میں اس پر قابو پانا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ جو عبادت ہمیشہ بھاری نظر آتی ہے روزہ میں قدرتی طور پر آسان ہو جاتی ہے۔ مشاہدہ ہے کہ وہ لوگ جو گیارہ مہینہ کی عبادت سے کوئی ذوق نہیں رکھتے۔ نماز فرض ادا کرنا بھی انھیں دوبھر نظر آتا ہے۔ رمضان میں روزہ کی برکت سے وہ نہ صرف فرض نماز کے پابند ہو جاتے ہیں بلکہ تراویح جیسی طویل اور مشکل نماز کو ذوق و شوق سے ادا کرنے لگتے ہیں۔

اگر عبادت کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو روزہ کے ساتھ اس کا جوڑ خود بخود سمجھ میں آ جائے گا۔ دیکھئے عبادت کے معنی ہیں بندگی۔ اور بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنے آپ کو اپنے آقا کے سپرد کر دے کہ اس کے حکم کا منتظر رہے جب بھی جس طرح کا حکم ملے اس کو بجا لائے۔

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن
دل بدست دگرے دادن و حیران بودن

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ یہ سب عبادات کی صورتیں ہیں لیکن حقیقت عبادت جو سب میں مشترک ہے وہ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں فنا کر دے اور اس کے سپرد کر دے۔ جیسا حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اذ قال لہ ربہ اسلم قال
اسلمت لرب العالمین۔

جب حضرت ابراہیم سے ان کے رب نے فرمایا
کہ فرمانبردار ہو جاؤ تو انھوں نے عرض کیا
کہ میں رب العالمین کا تابع فرمان ہوں۔

عبادت کی یہ حقیقت تمام شرائع و مذاہب میں ہمیشہ یکساں رہتی ہے اس کی صورتیں بدلی بھی جا سکتی ہیں، کم و بیش بھی کی جا سکتی ہیں۔ قرآن کریم نے خود اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

لیس البر ان تولوا وجوهكم قبل
المشرق والمغرب ولكن البر من آمن
بالله الآية

یعنی اصل عبادت یہ نہیں کہ تم مشرق کی طرف
رخ کرو یا مغرب کی طرف بلکہ اصلی عبادت
اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت ہے۔

حقیقت عبادت واضح ہو جانے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عبادات میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ یا نئی صورت گھڑنا جس کو اصطلاح میں بدعت کہا جاتا ہے اگرچہ صورت عبادت ہے، مگر حقیقت میں وہ عبادت نہیں کیونکہ وہ اپنی تجویز ہے، فرمان الٰہی کی پیروی نہیں۔ حدیث میں اس کو گمراہی اور موجب عذاب قرار دیا ہے۔ کوئی شخص ظہر کی رکعتیں چار کے بجائے پانچ یا مغرب کی چار ادا کرے یا اذان اقامت عیدین میں اذان و اقامت اور کچھ کلمات بڑھا دے تو اگرچہ بظاہر اس نے عبادت میں زیادتی کی ہے لیکن حقیقت میں بات یہ ہے کہ اس نے اپنی پہلی نیکی کو بھی برباد کر دیا۔ وجہ یہی ہے کہ اس نے اپنے نفس کو تابع فرمان نہیں رکھا۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ عبادت کی حقیقت بندگی اور اپنے نفس کو مرضی مولا کے سپرد کرنا ہے تو اب یہ معلوم کرنا بھی کچھ مشکل نہیں، بلکہ روزہ اس میں سب سے بڑا معین و مددگار ہے کیونکہ بندگی اور تابعداری سے انسان کو روکنے والی چیز اس کی نفسانی خواہشات کا غلبہ ہے۔ اور روزہ کی حقیقت بھی یہ ہے کہ ایک معین وقت کے لئے خواہشات نفسانی کو ترک کیا جائے۔ اور جب کوئی شخص معین اوقات میں خواہشات نفسانی پر قابو پا سکتا ہے تو اس کو دوسرے اوقات میں بھی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے روزہ دار کے لئے عبادت آسان ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کا رمضان سلامتی سے گذر جائے اس کا سارا سال سلامتی سے گذرے گا یعنی جو شخص رمضان میں گناہوں سے بچ گیا تو باقی گیارہ مہینوں میں بھی اس کیلئے معاصی سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

قرآن کریم نے جہاں روزہ فرض ہونے کا ذکر کیا ہے اس کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ روزہ رکھنے سے تقویٰ و پرہیزگاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے۔

یا ایها الذین آمنوا کتب علیکم
الصیام کما کتب علی الذین من
قبلکم لعلکم تتقون۔

اے ایمان والو تم پر روزے اسی طرح فرض
کئے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے
گئے تھے تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔

اور خاص کر ماہ رمضان اور اس کے صیام و قیام کو انسان کی باطنی اور روحانی پاکی میں بڑا دخل ہے۔ اللہ جل شانہ نے اپنا کلام قرآن مجید نازل کرنے کے لئے اسی ماہ مبارک کو منتخب فرمایا بلکہ پچھلی تمام آسمانی کتابیں بھی اسی ماہ مبارک میں نازل ہوتی رہی ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری تاریخ میں ایک خطبہ دیا جس میں رمضان المبارک کے متعلق خصوصی احکام و فضائل کا بیان فرمایا ہم اس طویل حدیث کا خلاصہ اردو زبان میں عوام کے فائدہ کے لئے بیان کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تم پر

ایسا عظیم الشان مبارک مہینہ آرہا ہے جس میں ایک رات ایسی آنے کی جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہوگی یعنی اس رات کو عبادت میں مشغول رہنا ایسا ہے جیسے کوئی مشغول رہے ہزار مہینے یا اس سے بھی زیادہ عبادت میں مشغول رہا ہو۔

پھر فرمایا کہ جو شخص اس ماہ مبارک میں کوئی نفلی عبادت ادا کرتا ہے وہ فرض کے برابر ثواب اور درجہ رکھتا ہے اور جو فرض عبادت ادا کرتا ہے وہ ستر فرضوں کے برابر ثواب پاتا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے: کبھی اگر روزہ سے کچھ تکلیف پیش آئے تو اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے۔ شور و شغب نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ ماہ رمضان ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے۔ یعنی مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس ماہ مبارک میں اپنے عزیزوں، دوستوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کا سلوک کرے ان کی حاجت پورا کرنے کی کوشش کرے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکے کو روٹی کھلائے یا ننگے کو کپڑا پہنائے یا مسافر کو شب باشی کی جگہ دے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے اہوال (خوفوں) سے پناہ دیں گے

پھر فرمایا کہ اس ماہ مبارک میں مسلمان کا رزق بڑھتا ہے، جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے اس کو بھی اس کے روزہ کا ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔

پھر فرمایا کہ جو شخص رمضان المبارک میں اپنے غلام یا نوکر کا کام ہلکا کر دے تاکہ اس کو روزہ رکھنا آسان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں گے اور جہنم سے اس کو نجات دیں گے۔ اسی لئے سلف صالحین اور اللہ کے نیک بندوں کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ ماہ رمضان میں نوکروں سے زیادہ محنت کا کام نہیں لیتے تھے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ رمضان میں پانچ چیزوں کی پابندی لازمی سمجھو۔ ایک کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی کثرت، دوسرے استغفار، تیسرے حصول جنت کے لئے دعا، چوتھے [illegible] پناہ مانگنا۔

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار، دوسرے بادشاہ عادل، تیسرے مظلوم کی دعا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان المبارک کی ہر رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی پکارتا ہے کہ اے نیکی کے طالب متوجہ ہو اور آگے بڑھ۔ اور اے برائی کے طلبگار اپنی آنکھیں کھول۔ اس کے بعد وہ منادی فرشتہ کہتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا تاکہ اس کی مغفرت کی جائے، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے۔ ہے کوئی حاجت مانگنے والا جس کی حاجت پوری کی جائے۔

مسلمانو۔ یہ رمضان کے چند لمحات ہیں ان کی قدر کیجئے، پچھلے گناہوں سے توبہ و استغفار اور آئندہ کے لئے اطاعت و پابندی کا عزم کر لیجئے۔ ایک مرتبہ ہمت کر کے عمل شروع کر دیجئے پھر دیکھئے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد پہنچتی ہے۔

حدیث: بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لئے کھانے یا حرام کام کرنے یا غیبت وغیرہ کرنے کی وجہ سے بھوک پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے شب گذار ہیں جن کے لئے (ریاکاری کی وجہ سے) جاگنے کے سوا کچھ [illegible]

(رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ)

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی
استاذ مدرسہ عربیہ ۔ نیو ٹاؤن کراچی

روزہ
قرآنِ کریم کی روشنی میں

ن کریم

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاما معدودات فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فہو خیر لہ و ان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔

(١) اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ، تھوڑے دن روزہ رکھ لیا کرو، پھر جو شخص تم میں بیمار یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کو کھانا کھلائیں اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن هدی للناس و بینات من الہدی و الفرقان فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ و من کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر و لتکملوا العدۃ و لتکبروا اللہ علی ما هداکم و لعلکم تشکرون ۔

ماہ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا اس لئے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے

[illegible]
[illegible]

۱۸۶ ۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ
أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا
لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۔
(البقرہ ع ۷ پ ۲)

اور اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق
پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب
ہی ہوں۔ جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار
سنتا اور جواب دیتا ہوں لہٰذا انہیں چاہئے کہ
میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں
یہ بات تم انہیں سنا دو شاید کہ وہ راہ راست پا لیں۔

یہ آیات کریمہ سورۂ بقرہ کی ہیں جو بالاتفاق مدنی سورت ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے پہلے حصہ میں روئے سخن منکرین قرآن کی طرف ہے۔ اس لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی حقانیت ثابت کی، اس کے بعد اس کے ماننے والے اور نہ ماننے والے فریقوں کو ذکر کیا، پھر توحید و رسالت کو ثابت کیا، بعد ازاں بنی اسرائیل پر انعامات اور ان کی نافرمانی کو بیان فرمایا، وہاں سے قبلہ کی بحث چلی اس کو بیان کرکے صفا و مروہ کے ذکر پر ختم کیا، اس حصے کے آخر میں شرک کے اصول و فروع کا ابطال کیا۔

دوسرے حصے میں زیادہ تر خطاب مسلمانوں اور قرآن کریم کے ماننے والوں سے ہے۔ قرآن کریم کے ماننے والوں کو تعلیم و ہدایت سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ اس تعلیم و ہدایت کا عنوان بِرّ ہے جو تمام ظاہری و باطنی طاعات کا مجموعہ ہے۔ سب سے پہلے "بِرّ" کے اہم اصول بیان فرمائے اس کے بعد "بِرّ" کے فروع و جزئیات کو بیان فرما کر اس حصے کو بشارت وعدۂ جنت و مغفرت پر ختم فرمایا۔

فروع و جزئیات بِرّ میں سے پہلا حکم قصاص کا ہے دوسرا وصیت کا، تیسرا روزہ کا۔ روزہ کی فرضیت کے سلسلہ میں سب سے پہلی آیت ہے جس کا آغاز فرمایا:
یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ اے ایمان والو! اس میں خطاب کرکے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ [illegible] کو بیدار کیا جا رہا ہے کہ تم پر ایک اہم ترین عبادت فرض کی جا رہی ہے اس لئے تم اس عبادت کو جذبۂ ایمان سے ادا کرو اور اس عبادت کے حقوق و آداب کی پوری نگہداشت رکھنا۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ (تم پر فرض کیا گیا) لکھ دیا گیا، لکھ دیا گیا۔ "کُتِبَ" کتابت سے ماضی مجہول ہے کتابت کے معنی جمع کرنے، جوڑنے اور لکھنے کے ہیں، پھر کبھی اس لفظ کو بول کر اس سے کسی چیز کو لازم کرنا، ثابت کرنا مراد لیا جاتا ہے۔ امام راغب نے کہا کہ کتب [illegible] آخری درجہ ہے۔ پہلا درجہ ارادہ ہے، پھر قول، تیسرا اور درجہ کتابت ہے۔ اس لئے کتب کے لفظ میں "فرضیت" کی تاکید اور زور ہے، اس اہم ترین عبادت کے لئے تاکید لفظ کا استعمال اس لئے ہے کہ لوگ اس عبادت سے گریز اختیار نہ کریں اور جس طرح اس کی فرضیت تاکید آگئی گئی ہے اسی طرح اس کی ادائیگی بھی نہایت اہتمام اور دل و باطن کی ہم آہنگی سے ہو۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا "کُتِبَ" ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ فاعل ظاہر نہیں کیا گیا، یعنی یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا کیونکہ فرض کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے خواہ اس کو ظاہر کیا جائے یا نہ۔ صاحب "البحر المحیط" نے اس سلسلہ میں ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے:

> اس آیت اور اس سے پہلے قصاص اور وصیت
> کی آیات میں تینوں جگہ فعل مجہول ذکر فرمایا
> کیونکہ یہ تینوں حکم سخت اور ثقیل ہیں۔ اس لئے
> اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت اپنی طرف [illegible]
> [illegible]
> [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نفسہ الرحمۃ [illegible]

[illegible] کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی

[illegible]

[illegible]

[illegible] کو اللہ تعالیٰ نے جب

بیان فرمایا [illegible] فعل مجہول استعمال کیا

فرمایا [illegible] فعل معروف استعمال فرمایا [illegible]

ارشاد ہے: وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس

(اور ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان)
اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی
اور اپنے انبیاء علیہم السلام سے سرکشی میں حد سے
آگے بڑھتے ہوئے تھے اس لئے وہاں صراحت
کی ضرورت نہیں اور یہ لوگ اپنے اعمال بد کی
وجہ سے اس قابل نہیں رہے تھے کہ احکام
شاق دیتے وقت اغماض کا برتاؤ کیا جائے۔

الصیام (روزہ) صیام، صام (فعل) کا مصدر ہے جیسے
قام کا قیام، صوم، صیام کے لغوی معنی کسی چیز سے رک
جانے کے ہیں، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا بات چیت ہو
یا چلنا پھرنا ہو، اسی لئے جو گھوڑا نہ کھائے اور نہ چل سکے
اس کو "فرس صائم" کہا جاتا تھا۔ پانی نکالنے کی چرخی اگر چل
[illegible] تو اس کو "بکرۃ صائمۃ" کہتے تھے، اسی طرح ہوا اگر رک
جائے اور چلنا بند کر دے تو اس کو "الریح الصائمۃ" کہا جاتا
تھا۔ ٹھیک دوپہر کا وقت جب سورج خط نصف النہار پر
آجائے ایسے مواقع پر کہا کرتے تھے "صام النہار"۔ ہم لغوی
معنی کی وضاحت ذرا تفصیل سے اس لئے کر رہے ہیں تاکہ اس کی
لغوی حیثیت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے نیت کے [illegible] نہیں [illegible] ہے۔

روزہ شرعی یہ ہے کہ طلوع فجر سے لے کر غروب تک
کھانے پینے، جنسی تعلق سے نیت کے ساتھ اجتناب رکھنا
لغوی اشارات کو شرعی معنی کے ساتھ ملانے سے واضح ہوتا ہے
کہ گویا [illegible] روزہ وہ ہے کہ جس میں کھانے پینے اور جنسی تعلق
کے پرہیز کے ساتھ ہی ساتھ بری باتوں اور بری جگہ چلنے
پھرنے سے بھی پرہیز کیا جائے، اور اس طرح اپنے قلب و
نظر میں روزہ کے روحانی مہر جہاں تاب کی وہ شعاع جذب
کی جائے جب وہ ٹھیک دوپہر کے وقت اپنے پورے جاہ و
جلال کے ساتھ جلوہ فگن ہوتا ہے اور گناہوں کے معاملہ
میں اس طرح سخت ہو جائے جس طرح چرخی سخت ہو کر گھومنے
سے انکار کر دیتی ہے، اگر اس طرح روزہ رکھ لیا جائے تو
اس کے روحانی فوائد ظاہر ہوں گے، اور بشارت
و رحمت کی ہوائیں چلنا شروع ہو جائیں گی اور معاصی
و ذنوب کی باد صرصر ہمیشہ کے لئے رک جائے گی۔

کما کتب علی الذین من قبلکم (جس طرح کہ تم سے
پہلے لوگوں اور امتوں پر فرض کیا گیا) اس سے معلوم
ہوا کہ روزہ مذاہب و ادیان کی قدیم ترین عبادت ہے
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ روزہ سب سے پہلے
حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض کیا گیا تھا، مذاہب
کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب سماوی اور
غیر سماوی میں روزہ کی عبادت جاری رہی، بت پرستوں
تک میں روزہ ایک عبادت کی حیثیت سے معروف ہے
موجودہ توریت میں صراحتاً تو روزہ کا حکم نہیں ملتا البتہ روزہ
داروں کی مدح و توصیف بار بار ملتی ہے، ایک جگہ یہ بھی لکھا

[illegible] البحر المحیط ص ۴۹ ج ۲ — [illegible] تفسیر کبیر ص ۱۴۷ ج ۴ — [illegible] کشاف ج ۱ ص ۲۵۲

ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ چالیس روزے رکھے تھے جس کی یادگار میں یہود کی اب بھی ایک ہفتہ روزہ رکھتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے یہاں ساتویں مہینہ کی دس تاریخ کو دن رات کا روزہ بھی فرض ہے غالبًا یہ عاشورا کا روزہ ہے، ان کے علاوہ ان کے یہاں کچھ اور بھی روزے ہیں جو صرف دن کے وقت رکھے جاتے ہیں؛ انجیل میں بھی روزہ کی فرضیت کا کوئی صریح حکم نہیں ملتا۔ البتہ روزہ کا ذکر اور اس کی تعریف کئی جگہ ملتی ہے۔ ایک جگہ یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو چاہئے کہ وہ اپنے کسی ظاہری حال سے روزہ ظاہر نہ کرے اسی لئے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں بالوں میں تیل لگائے اور چہرہ صاف کرتا رہے تاکہ ریاکاری میں مبتلا نہ ہو۔

کلیسا نے نصاریٰ پر متعدد روزے فرض کئے، ان کے یہاں روزوں کی بعض دلچسپ قسمیں ہیں۔ روزہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں صرف گوشت کا روزہ ہوتا ہے، بعض صرف مچھلی کا بعض میں صرف دودھ کا۔

آیت کریمہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ روزہ جب پچھلی ساری امتوں پر فرض کیا گیا تھا تو پھر کس طرح فرض نہیں ہوتا جبکہ تم پر جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے۔ اور تم کو انسانیت کی ہدایت کے لئے ایک مثالی امت بنایا گیا ہے، امام راغب سے ایک اور وجہ سنئے۔

> روزہ کے دو بڑے فائدے ہیں ایک تو یہ کہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ معاصی اور گناہوں سے پرہیز کی تربیت ہو جاتی ہے۔

رہا یہ امر کہ آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا کہ تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے دوسری امتوں پر تو اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ ایک عبادت شاقہ ہے جب مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم پر یہ کوئی نئی عبادت نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے لوگ بھی اس عبادت سے فائدہ اٹھا چکے ہیں تو مسلمانوں پر یہ عبادت آسان ہو جائے گی۔[1]

لعلکم تتقون (اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ)

روزہ کی فرضیت اور اس کی تعلیم کے بعد اس کی حکمت نہایت مختصر مگر جامع لفظ میں بیان کی جا رہی ہے کہ روزہ تم پر اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ توقع ہے کہ تم اس سے تقویٰ شعار بن جاؤ گے۔ روزہ سے تربیت تقویٰ اس طرح ہے کہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حلال اور مباح چیزوں سے پرہیز کرتا ہے اور اس پر مسلسل عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں حرام چیزوں سے پرہیز اور اجتناب کا ایک داعیہ پیدا ہو گا جو اس کی زندگی کو تقویٰ اور صبر سے آراستہ کر دیگا تقویٰ اور صبر پیغمبرانہ اخلاق کے دو اہم ستون ہیں، تقویٰ کو تو قرآن کریم نے بتلایا اور صبر کو حدیث نبوی نے آشکارا کیا ارشاد ہے، الصیام نصف الصبر[2] (روزہ صبر کا نصف ہے) پھر اس حکمت کو بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ چند وجوہ سامنے آتے ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ حکمت بیان کرنے کے بعد عبادت شاقہ آسان ہو جاتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ بت پرست اقوام کا تصور یہ تھا کہ ان کے خود ساختہ دیوتا کبھی ناراض ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی ان کو خوش اور راضی کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کا ناراضی دور کرنے اور ان کو خوش کرنے کا راستہ ایک یہ تھا کہ خود کو تکلیف میں ڈالا جائے اس کے لئے وہ لوگ روزہ رکھا کرتے تھے، بت پرست اقوام کا یہ تصور اہل کتاب میں بھی آگیا تھا، اس تصور کے برخلاف اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم آپ کے سامنے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور

(بقیہ برص ۱۶)

---

[1] الاجماع الی تحریم الشراب ۱۲ [2] رواہ ابن ماجہ وصححہ فی الجامع الصغیر۔

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری
استاذ دار العلوم کراچی

منکرات رمضان

رمضان المبارک بڑا مبارک مہینہ ہے اس میں نیکیوں
طرف بہت زیادہ توجہ کرنی چاہئے اور الحمد للہ تقریباً ہر
مسلمان کچھ نہ کچھ خیر کی طرف اس ماہ میں ضرور بڑھتا ہے
رمضان میں نیکیوں کے کیا فضائل ہیں اور خصوصیت سے کن
نیکیوں کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اس کا بیان
البلاغ کے اسی شمارہ کے مختلف مضامین میں موجود ہے
اچھا جاتا ہے کہ "حسنات رمضان" کے ساتھ ساتھ "منکرات
رمضان" کی بھی نشاندہی کردی جائے یعنی ان برائیوں کو
بتلا دیا جائے جو اس مہینے میں عموماً لوگوں سے سرزد
ہوتی ہیں کیونکہ شیطان ہر ممکن طریق سے نیک بندوں کی
کا روزہ ضائع کرنے کے ڈھنگ نکالتا ہے اور منکرات کو رواج
دینے میں اس طرح کامیاب ہو جاتا ہے کہ اکثر عوام ہی نہیں
بعض خواص بھی برائی کو نیکی سمجھنے لگتے ہیں اور گناہ کو
ثواب سمجھ کر کرتے رہتے ہیں، سالہا سال کے مشاہدات اور
تجربات کے پیش نظر چند مروجہ منکرات ہدیۂ تحریر میں لا
تے ہیں۔ امید کہ قارئین البلاغ اپنے اعمال کا بھی
جائزہ لیں گے اور دیگر حضرات کو بھی منکرات سے بچانے
کی فکر کریں گے۔

(۱) ایک بہت بڑا رواج یہ ہو گیا ہے کہ کمسن بچوں
کو روزہ رکھا کر بچہ کا فوٹو اخبارات میں شائع کرلیتے ہیں
اس میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔

اول: یہ کہ کمسنی ہی میں بچے کے ذہن میں ریاکاری کا بیج بو دیا
جاتا ہے اور بچہ کے دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ روزہ رکھنا
ایسا کام ہے جس کا اخبار میں اشتہار دینا چاہئے اور
نیکی کو اچھالنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ العیاذ باللہ
روزہ رکھنا مقصود نہیں بلکہ شہرت مقصود ہے، سب جانتے
ہیں کہ ریاکاری نیکیوں کی آری ہے اس کے ہوتے ہوئے
کوئی نیکی نہیں رہتی۔

دوم: تصویر کھنچوانا اور اخبار میں شائع کرانا یہ مستقل
بڑا گناہ ہے، ریاکاری کے ساتھ تصویر کشی کے گناہ میں
ملوث ہوتے ہیں۔ بچے سے ایک نیکی کرائی اور خود گناہ کبیرہ
میں مبتلا ہوئے یہ کیسی نادانی ہے! تصویر کشی اور تصویر
گھر میں رکھنے کے سلسلہ میں البلاغ میں مفصل بحث آچکی ہے
اس لئے حرمت تصاویر کی احادیث اس مضمون میں نہیں
دی جارہی ہیں، مسلمانوں کو اپنے ہر عمل کے بارے میں
سوچنا چاہئے کہ اللہ کی رضا مطلوب ہے یا اور کچھ؟

(۲) ایک رواج یہ ہے کہ افطار کی دعوتیں کی جاتی
ہیں، اور جب سے کمسن بچوں سے روزہ رکھا کر ریاکاری کا

سلسلہ چلا ہے اسی وقت سے ان دعوتوں کا رواج اور زیادہ زور پکڑ گیا ہے، دعوت وضیافت تو اچھا کام ہے مگر اس کے ساتھ جو یہ مصیبت کھڑی ہو گئی ہے کہ افطار کرتے کرتے نماز مغرب کی بالکل چھوڑ دیتے ہیں یا جماعت ترک کر دیتے ہیں یہ ایک عظیم خسارہ ہے اگر دعوت نہ ہوتی تو جماعت کی نماز مسجد میں پڑھتے اور ستائیس نمازوں کا ثواب پاتے مگر دعوت نے یہ سب ثواب ضائع کر دیا کیا مزا رہا۔

بس دعوت انسانی کی وجہ سے دعوت رحمانی کی شرکت کی محرومی ہو گئی جس کی طرف حی علی الفلاح کے ذریعہ منادی ربانی نے بلایا تھا البتہ بعض حضرات بالکل تو جماعت ترک نہیں کرتے بلکہ افطاری کے بے نمازی بلکہ بے روزہ دار مہمانوں کو چھوڑ کر مسجد میں پہنچ کر ایک دو رکعت پا لیتے ہیں ان میں وہ حضرات بھی ہوتے ہیں جو دوسرے مہینوں میں صف اول اور تکبیر اولیٰ ناغہ نہیں ہونے دیتے، مگر رمضان جیسے مبارک ماہ میں جو زیادہ حسنات کا مہینہ ہے صف اول اور تکبیر اولیٰ کے عظیم ثواب کو افطاری کی نذر کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔ اور ہاں بعض ضیافتوں میں مولوی حافظ قاری حضرات موجود ہوتے ہیں یہ صاحب دعوت ہی کے گھر میں جماعت کی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ جماعت کا ثواب تو مل جاتا ہے مگر دو باتیں اس میں بھی قابل توجہ ضرور ہیں۔ ایک تو وہ بات جو ابھی عرض کی گئی کہ جب ماہ مبارک زیادہ نیکیوں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اس میں بڑی جماعت کی شرکت چھوڑی اور مسجد جانے پر جو ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی اس سے محروم ہوئے، دوسرے یہ کہ مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کے ساتھ بالکل اس کا [illegible] سنت کے مطابق نہیں ہے۔ تھوڑا تھوڑا ہٹنے سے آگے چل کر بہت زیادہ ہٹ جاتے ہیں بہت سی بدعتوں نے اسی طرح رواج پایا ہے۔

شاید کوئی صاحب یہ خیال فرمائیں کہ دعوت سے کیوں روکا جا رہا ہے حالانکہ یہ سنت کا کام ہے [illegible] میں کیا شک ہے، مگر نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا بھی ضروری ہے [illegible] اور بہت بڑی سنت ہے، اس کو ترک نہ کریں، اور دعوت بھی خوب کھائیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب دعوت سے کھجوریں لیکر افطار کریں اور نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں اور نماز سے فارغ ہو کر [illegible] ماحضر نوش جان فرمالیں۔

بات یہ ہے کہ شریعت کی پاسداری ملحوظ خاطر ہو تو ہر بات کا دھیان رہے۔ چونکہ دنیا داری کے اصول بدلہ و بدلے کے عنوان سے دعوتیں ہوتی ہیں، بلکہ الیکشن جیتنے کے منصوبے اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور عہدیداروں اور لیڈروں کو دعوت کے ذریعہ مانوس کیا جاتا ہے وہی دعوتیں چیئرمینوں اور ممبروں بلکہ وزیروں اور ان کے مشیروں اور عزیزوں کو بطور رشوت کھلائی جاتی ہیں اس لئے شریعت کے اصول کا خیال نہیں رہتا، خدا را ذرا غور کریں کیا ایسی دعوتیں سنت ہیں جن پر نماز یا نماز باجماعت کو قربان کیا جا سکے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نام تو ہو پارٹی کا، مگر اس میں چونکہ مندرجہ بالا اصول کے مطابق دعوت دی جاتی ہے اس لئے اکثر بے روزہ دار بھی شریک ہو کر روزہ کھول لیتے ہیں۔ کلا بل لا یخافون الآخرۃ۔

(۳) بعض صاحبان تراویح کا اہتمام [illegible] کی اذان وقت سے پہلے دیدیتے ہیں، حالانکہ اذان وقت ہونے کے بعد ہونی چاہئے [illegible] کرنے کی وجہ سے ایک آیت بھی [illegible]

(۴) بہت سی عورتیں تراویح نہیں پڑھتیں [illegible] صرف مردوں کے کرنے کا کام سمجھا جاتا ہے، حالانکہ تراویح بالغ مرد و عورت سب کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔

(۵) بعض لوگ پورے رمضان کی تراویح پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ صرف ایک بار قرآن مجید سن لینا کافی سمجھتے ہیں خواہ پہلے دس دن میں ہی ختم ہو جائے، حالانکہ تراویح رمضان کی آخری رات تک پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور ختم قرآن مستقل سنت ہے۔

(۶) بعض مساجد میں نابالغ کے پیچھے نماز تراویح پڑھ لیتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کے بھی مدعی ہیں حالانکہ حنفی مذہب میں نابالغ کی اقتداء میں فرض، سنت، نفل کچھ جائز نہیں۔

(۷) ختم کے دن برقی قمقموں اور رنگ برنگ کی لمبی لمبی جھنڈیوں سے مساجد کی سجاوٹ کی جاتی ہے اور انوار قرآنی سے منور ہونے کی فکر سے زیادہ برقی روشنی کی چمک دمک میں آنکھیں خیرہ کر دی جاتی ہیں۔ اور بجلی کی زیبائش کے باعث منتظمین مسجد اس رات کو نماز باجماعت بلکہ پوری یا آدھی تراویح کی شرکت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ بھلا قلوب کو منور کرنے والے انوار قرآنیہ کے سامنے اس ظاہری آرائش کی کیا ضرورت ہے، محققین کے نزدیک یہ سب اسراف اور فضول خرچی ہے جس کے لئے شریعت میں وعیدیں آئی ہیں۔

(۸) مشروط یا معروف طریقہ پر تراویح میں قرآن مجید سنانے والے حفاظ کو خدمت کے نام سے رقم دی جاتی ہے جس کا لینا دینا ناجائز ہے۔

(۹) مسجد کی سجاوٹ اور مٹھائی نیز حافظ صاحب کے [illegible] کے لئے چندہ کرتے ہیں جو بہت سے حضرات خوش دلی سے نہیں بلکہ محلہ کے بڑے لوگوں کا منہ دیکھ کر دیتے ہیں اور [illegible] وفد بنا کر [illegible] سے جیب میں ہاتھ ڈلواتے ہیں حالانکہ جب تک طیب نفس سے نہ دیا جائے اس وقت تک کسی کا ایک پیسہ لینا بھی حلال نہیں ہوتا، اگر کسی ضرورت سے چندہ کرنا ہو تو صرف ضرورت سامنے رکھدیں پھر جس کا جی چاہے خود دے دے یا نہ دے، وفد بنا کر جانا دباؤ ڈالنے کے لئے ہوتا ہے جو شرعاً صحیح نہیں۔

(۱۰) عموماً اکثر مساجد میں اعتکاف کے لئے کوئی نہیں بیٹھتا حالانکہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، کوئی بھی نہ کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔ بعض جگہ اپاہج قسم کے لوگوں کو روٹی کپڑے کا لالچ دیکر اعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں اور یہ لوگ اکثر مسائل سے بھی واقف نہیں ہوتے ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اعتکاف کتنی دیر مسجد سے باہر رہنے سے فاسد ہو جاتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو اس لئے انتخاب کرتے ہیں کہ مال و دولت والے حضرات مسجد میں دس دن گذارنے کو کسر شان سمجھتے ہیں یا دنیاوی مشغولیتوں کو اللہ کے گھر میں رہنے سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یہ حب دنیا ہے۔

(تلك عشرة كاملة)

البلاغ | مولانا عاشق الٰہی صاحب کا یہ مضمون ــــ درحقیقت شرح ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متن کی جو اسی شمارہ میں دیا جا رہا ہے، اور کچھ باتیں اس میں اس کے علاوہ بھی ہیں، مگر ایک ضروری بات رہ گئی ہے وہ یہ کہ شبینوں میں یا تہجد کے وقت بعض مساجد یا خانقاہوں میں نوافل کی جماعتیں ہوتی ہیں حالانکہ یہ مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر صرف دو تین مقتدی ہوں تو گنجائش ہے بنا نوافل [illegible] جماعت [illegible] آگر [illegible] کرنا ہو تو تراویح میں پڑھیں [illegible] قرأت کی طرف [illegible] ان کے لئے [illegible] ضروری ہے۔ (ادارہ)

دارالعلوم میں بچوں کا دارالتربیت

(جدید رہائش گاہ)

دارالعلوم میں بڑے طلباء کے لئے تو شروع سے طعام و قیام کا انتظام ہے، جس کی کوئی فیس نہیں لیکن پندرہ سال سے کم عمر بچوں کے لئے ایسی رہائش گاہ الگ موجود نہیں تھی جس میں ان کی دینی تربیت کا انتظام بھی ہو، اور ایسا دلکش ماحول بھی کہ شہری بچے اپنے گھر کی آسائشوں کو چھوڑ کر وہاں بآسانی رہ سکیں۔

پچھلے تین سال سے اس مقصد کے لئے ایک الگ رہائش گاہ کا انتظام "دارالتربیت" کے نام سے کر دیا گیا تھا جس میں بچوں کی نفسیات کے مطابق دینی و اخلاقی نگرانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اب تک یہ اقامت گاہ چھوٹی عمارت تھی جس میں کل تیس بچے رہ سکتے تھے، اب اسے ایک بڑی عمارت میں منتقل کر دیا گیا ہے جس میں ساٹھ چارپائیوں کا انتظام ہے، نیز اس میں راحت و آرام کے اور بھی نئے انتظامات کئے گئے ہیں۔

● صاف روشن اور کشادہ کمرے ● صحت بخش غذا ● ہر چیز میں نفاست
● مؤثر دینی تربیت ● سرور افزا باغیچہ ● نتیجہ خیز تفریحات
● جھولے اور متعدد کھیل ● گھر کا سا ماحول

تعلیم

دارالتربیت میں رہنے والے بچے دارالعلوم کے مندرجۂ ذیل شعبوں میں سے کسی ایک میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱) عربی کے درجاتِ ابتدائیہ (۲) درجۂ حفظ۔
(۳) مدرسہ ابتدائیہ (پرائمری اسکول) (۴) درجۂ فارسی۔

مصارف

بچوں کی تعلیم، رہائش، پانی اور بجلی کی کوئی فیس نہیں مگر باقی چیزوں کا بلا معاوضہ معیاری انتظام دارالعلوم کے مالی وسائل سے باہر ہے اس لئے ماہانہ فی کس ۳۵ روپے وصول کئے جاتے ہیں۔

تفصیلات کے لئے دارالتربیت کے صدر اتالیق سے دارالعلوم کورنگی کے ایریا کراچی ۱۴ میں بچے کو ساتھ لا کر ملاقات فرمائیے۔

(ناظم دارالتربیت)

تحریر: حضرت مولانا اشرف علی صاحب
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اس مہینے میں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مضمون
ماہنامہ "الامداد" رمضان ۱۳۳۶ھ سے ماخوذ ہے۔ ادارہ

روزہ: (۱) بلا وجہ شرعی روزہ کو ترک کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔

(۲) روزہ کی فرضیت قطعیہ جیسے کہ منکر کرنے میں متعدد نہیں ہے اسی وجہ خدا اور رسول کا حکم مانتا ہے۔

(۳) روزہ کی نسبت تمسخر کے کلمات کہنا مثلاً یہ کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانا نہ ہو، یا یہ کہ ہم سے بھوکا نہیں رہا جاتا، کفر ہے۔

(۴) بلا ضرورت صرف روزہ چھوڑنے کے واسطے سفر کرنا یا بیمار بن جانا ناجائز ہے۔

(۵) اچھا خاصہ تندرست آدمی روزہ کے بدلے فدیہ دینے سے روزہ سے بری نہیں ہوگا۔ اسی طرح بیمار بھی جب تک اچھا ہونے کی امید ہو فدیہ پر کفایت نہیں کر سکتا، قضا واجب ہوگی۔

(۶) جو افطار شرعی عذر سے ہوا اور اس عذر کے رفع ہونے کے وقت کچھ دن باقی ہے تو کھانے پینے وغیرہ سے رکنا واجب ہے۔

(۷) بچوں کو بالغ ہونے سے پہلے روزہ رکھنے کی عادت ڈالو جب وہ تحمل ہو سکیں ورنہ بعد بلوغ کے ان کو روزہ رکھنا دشوار ہوگا۔

(۸) بعض لوگ سفر میں یا مرض میں جان کو آ جاتے ہیں لیکن افطار نہیں کرتے اس کی بھی ممانعت ہے۔

(۹) اگر شیر خوار بچہ کو والدہ کے روزہ رکھنے سے تکلیف و ضرر ہو تو افطار کرنا چاہئے بعد میں قضا کر لے۔

(۱۰) محض خوشی منانے اور اپنا حوصلہ نکالنے کے واسطے بہت کم سن بچوں سے روزہ رکھوانا ممنوع ہے۔

(۱۱) روزہ میں غیبت، نگاہ بد اور تمام معاصی سے بہت اہتمام سے بچو، روزہ میں دل بہلانے کے واسطے ان معاصی کا مرتکب ہونا اور اسی طرح چوسر، گنجفہ کھیلنا، ہارمونیم، گراموفون بجانا اشد درجہ حرام ہے۔

(۱۲) جس طرح معاصی سے بچنا ضروری ہے اسی طرح لایعنی اور فضول کام سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

(۱۳) رمضان المبارک میں غذائے حلال کا بہت زیادہ اہتمام رکھو۔

(۱۴) پچھلے روزہ کا زیادہ اہتمام کرنے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

فائدہ: تجربہ اور مشاہدہ سے رمضان المبارک کا یہ خاصہ ثابت ہوا ہے کہ رمضان المبارک میں جن معاصی اور ناجائز نفسانی خواہشوں سے آدمی بچتا ہے تمام سال اس کا یہ اثر رہتا ہے کہ بچنا آسان ہوتا ہے، اس لئے ہمت کر کے اس ماہ میں تمام معاصی خواہ اعضاء ظاہری سے ان کا تعلق ہو یا قلب سے ہو سب سے بچو۔

سحری: (۱۵) بعض لوگ آدھی رات ہی سے سحری کھا لیتے ہیں اس سے ثواب کامل سحری کا نہیں ہوتا۔

(۱۶) اور بعض اس قدر تاخیر کرتے ہیں کہ صبح صادق ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے اس سے بھی احتراز بہت لازم ہے۔

(۱۷) بعض لوگ سحری تو مناسب وقت کھاتے ہیں مگر فضول حقہ و پان میں اس قدر دیر کرتے ہیں کہ صبح صادق ہو جاتی ہے۔

افطار (۱۸) افطاری کھانے میں اس قدر مشغولی کہ مغرب کی جماعت فوت ہو جاوے یہ بہت بڑا خسارہ کی بات ہے۔

(۱۹) بہتر یہ ہے کہ روزہ مسجد میں افطار کیا کریں تاکہ جماعت نہ جاوے۔

(۲۰) افطاری کی حرص سے گھر پر مغرب کی نماز پڑھنا اور مسجد و جماعت کے ثواب سے محروم رہنا بڑی کم ہمتی کی بات ہے۔

تراویح: (۲۱) فارغ ہونے کی جلدی میں وقت سے پہلے شروع نہ ہونا چاہئے ورنہ ترک فرض کا گناہ سر پر رہے گا۔

(۲۲) عشا کی اذان تراویح سے جلدی ہونے کے خیال سے وقت سے پہلے نہ کہلائیں۔

(۲۳) قرآن شریف نہ بہت تیز پڑھیں کہ کچھ سمجھ میں نہ آوے، اور نہ اس قدر ٹھہر کر کہ مقتدیوں کو تکلیف ہو۔

(۲۴) ثناء، تسبیحات و تشہد و درود تراویح میں اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔

(۲۵) اجرت مشروط یا معروف پر تراویح میں قرآن سنانا ناجائز ہے۔

(۲۶) ختم قرآن شریف پر شیرینی کا اہتمام و التزام نہ کرنا چاہئے خاص کر چندہ کر کے شیرینی تقسیم کرنا تو اور بھی زیادہ مفاسد کو متضمن ہے۔

(۲۷) ختم قرآن کے دن مسجد میں روشنی کا خاص اہتمام ثواب نہیں بلکہ معصیت و اسراف ہے۔

(۲۸) نامحرم حافظوں کو گھر میں بلا کر عورتوں کا قرآن سننا مفاسد سے خالی نہیں ہے۔

صدقۂ فطر (۲۹) صدقۂ فطر صاحب نصاب ہونے سے جیسا اپنی طرف سے واجب ہے اسی طرح اپنے بچوں کی طرف سے بھی واجب ہے۔

(۳۰) بعض لوگ مؤذن اور امام اور ختم کی اجرت میں صدقۂ فطر دیتے ہیں اس سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوتا۔

مرکزی دار العلوم دیوبند کا

علمی ترجمان

ماہنامہ **دار العلوم** دیوبند

گذشتہ ۳۰ سال سے پابندی وقت کے ساتھ جاری ہے۔ اس کے علمی، دینی، تاریخی اور اصلاحی مضامین عوام و خواص میں پسندیدہ ہیں۔ معارف و سنت کا بہترین شارح، موجودہ تاریک حالات میں مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے ایمان، اسلام اور قومیت کا ایک منارۂ نور، غیر معمولی مشکلات کے باوجود بحمد اللہ اپنے فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔ سالانہ چندہ ۱۰ روپے ناظم صاحب رسالہ بینات مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کو روانہ کریں اور کوپن پر لکھیں کہ یہ رسالہ دار العلوم کی رقم ہے۔ خط و کتابت کا پتہ

سید ازہر شاہ قیصر، ایڈیٹر دار العلوم دیوبند

[illegible]

تاثرات

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تو قریباً دوسرے عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی تھے، ان کو خلفائے راشدین کی صف کا خلیفہ کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا ...... ہے۔ انھیں خلافت کے لئے زیادہ زمانہ نہیں ملا ورنہ خدا جانے کیا کیا کام کر جاتے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ بھی مسلمانوں میں ایسے بادشاہ، وزیر اور امیر بے شمار گذرے ہیں جن پر [illegible] عدل و انصاف اور [illegible] کی فراوانی کے [illegible] شان پوری طرح باقی رہی۔

آج میں صرف ایک وزیر اور ایک امیر کا نام لیتا ہوں وزیر نظام الملک طوسی ہیں۔ اور امیر بخشی الملک شیخ فرید۔

نظام الملک طوسی کی شہرت بحیثیت عاقل و دانا اور مدبر کے بنی ہے، اور انھوں نے خدمت دین بھی بیحد کی تھی۔ حسن بن صباح کے باطنی فرقے کا فتنہ نظام الملک طوسی کے [illegible] اٹھا تھا۔ نظام الملک طوسی نے اسے [illegible] یا کہ بالآخر اسی فرقے کے کسی شخص کے ہاتھوں وہ شہید ہو گئے۔

حال میں مولانا عبدالرزاق کانپوری مرحوم کی معرکہ کی کتاب "نظام الملک طوسی" کا دوسرا ایڈیشن چھپا ہے [illegible] بادشاہ اور رعایا کے

فرائض کے تحت نظام الملک طوسی لکھتے ہیں۔

"جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ کر دین و مذہب کا مذاق اڑانے لگتے ہیں اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں، اس وقت خدا ان کے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہے اور (یہ سزا دیتا ہے کہ) بجائے عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمران مسلط کرتا ہے۔ اس دور انقلاب میں خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں اور گنہگار اپنے کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں (اور نیکوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں)۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ جب نیستان میں آگ لگتی ہے تو وہ خشک چیزوں کو جلاتی ہے۔ پھر ہمسائگی کے سبب تر چیزیں بھی جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔

بادشاہوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہیے مگر یہ رضامندی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ بندگان خدا پر عدل و احسان کیا جائے۔ عدل کا ثمرہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا ٹھنڈے دل سے دعائیں مانگتی ہے جس سے سلطنت میں استحکام اور اضافہ ہوتا ہے اور دین و دنیا کی نیک نامی نصیب ہوتی ہے اور آخرت کا حساب ہلکا ہو جاتا ہے۔ مشہور قول ہے "اَلْمُلْکُ یَبْقٰی مَعَ الْکُفْرِ وَلَا یَبْقٰی مَعَ الظُّلْمِ" یعنی سلطنت کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتی ہے

گر ظلم و ستم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔"

"بادشاہ پر واجب ہے کہ فرض و سنت اور احکام شریعت کے قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بادشاہ کے واسطے سب سے اچھی چیز اس کا پاکیزہ مذہب ہے، کیونکہ مملکت اور مذہب مثل دو بھائیوں کے ہیں۔ جب مملکت میں انقلاب ہوگا تو مذہب میں بھی رخنہ پڑے گا اور جب مذہب میں رخنہ پڑے گا تو سلطنت پر بھی اس کا اثر ہوگا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھا بادشاہ وہ ہے جو اہل علم سے محبت رکھتا ہو اور سب سے برا وہ عالم ہے کہ جو بادشاہ سے ملتا ہو۔"

نظام الملک طوسی بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں۔

تیرے لیے وزارت اختیار نہ کرنا اور جہاں تک ہو سکے دولت جاہ پر بستی قناعت کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور دنیا کی چاپلوسی پر شیدا اور فریفتہ نہ ہونا، کیونکہ اول کی لذتیں آخرت کی مسرتوں کے برابر قیمت نہیں رکھتیں، صبح سے شام تک بلاناغہ لوگوں کے معاملات میں وزیر کو مختلف احکامات صادر کرنا پڑتے ہیں اور حکم الٰہی یوں ہے "فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْعَدْلِ" یعنی جو حکم ہو وہ کانٹے کی تول ہو۔ ایسی صورت میں خدانخواستہ اگر ان میں سے کوئی ایک "حکم بھی حکم خداوندی کے خلاف صادر ہو جائے تو اس ایک لمحے کے نقصان کی تلافی سو برس کی حکومت میں نہیں ہو سکتی۔"

شیخ فرید وہ امیر ہیں جنہیں شہنشاہ جلال الدین اکبر کے مرتے وقت تمام امراء نے اپنا نمائندہ بنا کر جہانگیر کے پاس بھیجا تھا کہ ہم آپ کی حمایت کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ فرمایئے کہ آپ کی عزت کو دنیا دین تو ضرور نہیں کیجئے گا؟

روزانہ پانچ سو آدمی شیخ فرید کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے اور پانچ سو آدمیوں کو گھر پر کھانا بھیجا جاتا تھا

شیخ فرید باہر نکلتے تھے تو ملازمین روپیہ اور اشرفیاں ساتھ ہوتے تھے۔ شیخ فرید خیرات کرتے جاتے تھے۔

شیخ فرید نے جائیداد نہیں بنائی، حتیٰ کہ اپنے رہنے کا مکان بھی معمولی سا تھا۔ لیکن غریب مسافروں کیلئے انھوں نے جگہ جگہ سرائیں تعمیر کیں۔ جو زندگی بھر سب پر کھلا اس کے ہاں مرنے کے بعد صرف ایک ہزار اشرفیاں تھیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ شیخ کے حقوق کا میرے کل مریدوں کو خیال رکھنا چاہئے۔

شیخ فرید درویش صفت امیر تھے۔ جن پر بہت سے مشائخ کو رشک آتا تھا۔

شیخ فرید نے شریفانہ عقل اور ایماندارانہ کارگذاری کے ذریعہ عروج حاصل کیا تھا۔ جہانگیر کے دوران حکومت تک شیخ فرید صوبہ گجرات اور صوبہ پنجاب کے صوبیدار رہے۔

شیخ فرید دلی میں پیدا ہوئے تھے۔ اور دلی ہی میں مدفون ہیں دلی سے جو سڑک قطب صاحب جاتی ہے اس پر ہمایوں کے مقبرے اور بی بی نور کی درگاہ کے درمیان ایک راستہ چراغ دلی کی طرف مڑتا ہے۔ اس راستے میں سرخ گنبد کے قریب پرانا قبرستان ہے وہاں دو بہت کے گنبد کے اندر شیخ فرید کا مزار ہے، مزار کی لوح پر نام وغیرہ کندہ ہے۔

شیخ فرید کا پورا نام شیخ سید فرید الدین تھا۔ جہانگیر نے انہیں مرتضیٰ خان اور صاحب سیف و قلم کے خطاب دیئے تھے۔

جو صحابہ غزوۂ بدر سے قبل ایمان لائے تھے اور جنھوں نے مشرکین مکہ کے ہاتھوں بڑی بڑی تکلیفیں سہی تھیں اور جنھوں نے پہلی جنگ (غزوۂ بدر) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا، ان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ

بعد کے صحابہ پر فائق دکھا ہے۔ لیکن کس اعتبار سے ؟ صرف عزت اور اجرِ آخرت کے اعتبار سے، دوسرے اعتبارات سے وہ دوسروں کے برابر تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے جب مشورہ پیش کیا کہ بدری صحابہ کو تقسیمِ دولت میں فوقیت ملنی چاہئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا تھا کہ بدری صحابہ کو فوقیت عزت اور اجرِ آخرت کے اعتبار سے ہے، کفالت اور تقسیمِ دولت کے اعتبار سے نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی رائے سے کام لیا تھا، لیکن پھر ان کی بھی رائے یہی ہوئی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح تھی آسائش تمام مسلمانوں کو یکساں ملنی چاہئے۔

فطرتِ انسانی بدل نہیں سکتی، صحابہ بے شک دنیا کے آرام و آسائش سے بے نیاز تھے، مگر قرآن صحابہ ہی کے واسطے نہیں اترا تھا۔ قیامت تک کے انسانوں کے واسطے اترا تھا۔ مگر غیروں سے کیا کہا جائے، مسلمانوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پیروی نہیں کی۔

کوئی حکومت بلا نے نہیں ٹل سکتی، اگر محکوم اس سے خوش ہوں، ہم مذہبوں کی حکومت کا ذکر نہیں، غیر مذہب والوں کی حکومت کی خاطر لوگ جان کی بازی لگا سکتے ہیں، بشرطیکہ لوگ اس حکومت سے آرام اور آسائش پا رہے ہوں۔ انگریز نہ ہندوؤں کے ہم مذہب تھے نہ مسلمانوں کے ہم مذہب، مگر جن ہندوؤں اور مسلمانوں کو ان سے فائدہ پہنچ رہا تھا وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں۔

مگر انگریز اگر سارے ہندوؤں اور مسلمانوں کو آرام اور آسائش پہنچاتے تو ان کے ہندوستان سے جانے کا نام بھی نہ لیا جاتا لیکن بے انتہا ہونے کے باوجود انگریز تک وہ راز نہ سمجھ سکے جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے۔

○

حدیث: انسان کے ہر عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے کیونکہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔ بندہ اپنی خواہش اور اپنے کھانے کو میرے لئے چھوڑتا ہے، پھر فرمایا کہ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسری اس وقت ہو گی جب خدا سے ملاقات کرے گا اور روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے عمدہ ہے اور روزے ڈھال ہیں (جو گناہوں سے اور دوزخ سے بچاتے ہیں) جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو گندی باتیں نہ کرے اور شور نہ مچائے، پس اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرنے لگے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں (لڑنا جھگڑنا گالی کا جواب دینا میرا کام نہیں) (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ رض)

جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام ریّان ہے اس سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے بخاری و مسلم عن سہل رض) ریّان بمعنی سیرابی والا۔

جس نے ایک دن خدا کی راہ میں روزہ رکھ لیا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے اس قدر دور کر دیں گے کہ ستر سال میں جتنی دور پہنچ جائے۔ (بخاری عن سعید رض)

دوسری قسط

محمد حنیف اللہ پھلواروی۔ کراچی

مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں

مسلمانوں کے روشن دور میں ان کی تجارتی سرگرمیاں دنیائے معلومہ کے ایک بہت بڑے حصہ پر پھیلی ہوئی تھیں مسلمانوں کی فاتحانہ سطوت حوصلہ مندانہ تجارت۔ اور مبلغانہ مساعی، ایشیا اور افریقہ کے بعید ترین گوشوں تک جا پہنچی تھیں

مسلمانوں نے بڑی بڑی بندرگاہوں کی تسخیر کے بعد تجارتی سلسلوں کے بڑھانے کے لئے بیڑے تیار کئے۔

ہندوستان، چین، سیام، جاوا، سماترا، جزائر ہند، سیلون، ملیبار، ممباسہ، زنجبار، حبش، مصر، عرب وغیرہ مشرقی ممالک کی بحری تجارتیں مسلمان تاجروں کے ہاتھوں میں تھیں، ان کے جہاز بحر ہند، بحر عرب، خلیج فارس اور بحر احمر کے تجارتی راستوں پر قابض تھے۔ یہ لوگ چین ہندوستان، ایران وغیرہ سے مال لیجا کر مصر پہنچاتے اور وہاں سے وینس اور جینوا کے سوداگر اسے یورپ لیجاتے تھے، پھر اس طرح یورپ کا مال مسلمانوں کے جہازوں پر ہندوستان، ایران، چین وغیرہ مشرقی ملکوں میں پہنچتا تھا

غرض بقول سعید الدین کے الفاظ میں تجارت صنعتی اور زراعتی سرگرمیوں سے بھی بازی لے گئی۔ یہ دنیائے اسلام کی حدود سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی۔ تجارتی کاروبار یورپ میں بحیرۂ بالٹک کے کناروں تک پہنچ چکا تھا جہاں سے عربی سکوں کے بہت سے ذخیرے دستیاب ہوئے ہیں جنوب میں عربوں کی تجارت افریقہ کے ملک تک جا پہنچی تھی اور مشرق میں عرب تجار ہندوستان اور چین کے ساتھ خشکی اور سمندر کے راستوں سے مال تجارت لانے لیجانے میں بڑی سرگرمی سے مصروف تھے۔ مملکت اسلامی میں تجارت کی گرم بازاری تھی۔ اس صورت میں بھی ایک خطۂ ارض کے متحد ہو جانے کی وجہ سے نقل و حرکت کی آزادی اور سہولت پیدا ہو گئی تھی، اور مال تجارت مسلسل ادھر ادھر آنا جاتا رہتا تھا۔

نشستہ ھ کے قریب بغداد میں تیس ہزار تجارتی کشتیاں تھیں۔ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق قاہرہ میں سلطان اور اس کی رعایا کی چھتیس ہزار کشتیاں تھیں جو بالائے مصر، دمیاط اور اسکندریہ کے درمیان ہر قسم کے سامان سے لدی ہوئی آتی جاتی تھیں۔

عبدالرحمن الناصر (اندلس) کے تجارتی جہاز میڈیٹرینین کے تمام مشرقی مقامات میں جاتے تھے۔

مشہور انگریز مسلمان محمد مارماڈیوک پکتھال کا بیان ہے کہ اسی زمانہ کی اسلامی سلطنت کی مالی خوشحالی مغربی دنیا کے لئے قابل رشک تھی اور مغربی سوداگروں کی کھینچ

اسلامی دنیا میں تجارت کی اجازت حاصل کرنے کے لئے باہم
ب مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ مسلمانوں کی اس زمانہ کی مرفہ الحالی کا
ایک معمولی سا اندازہ زمانہ حال کے ایک انگریز مصنف کے
ایک اقتباس سے ہوسکتا ہے، اور یہ یاد رہے کہ یہ مصنف
مسلمانوں کا کوئی خیرخواہ یا مداح نہیں۔

"ہسپانیہ کی خوشحالی کے باوجود جس کا آغاز ہو چکا تھا صدی میں نئی دنیا کے ساتھ اس کی عمدہ تجارتی حیثیت سے ہوا، اس کے مصنوعات اور ان کے ساتھ اس کی خوشحالی بتدریج بادشاہوں کے عہد میں زوال و انحطاط ہو گئی، اور یہ انحطاط اس وقت مکمل ہو گیا جب تخت ثالث کی طرف سے ازابیل کی حمایت مذہب میں تنگ دلی ہوئی تب ہی کی تکمیل ہسپانیہ سے آخری مسلمانوں کے اخراج سے عمل میں آئی۔"

برصغیر ہند و پاکستان مسلمانوں کی تجارت

ہند و پاکستان کی تجارت کے سلسلے میں مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں کا مورخ پنڈت گردھاری لال اپنی تاریخ "کتاب الہند" میں لکھتا ہے:

"اسلامی حکومت سے پہلے ہندوستان کی تجارت بحری زیادہ کامیاب نہیں تھی۔ مسلمانوں نے مختصر سی مدت میں بری اور بحری تجارت کو خوب فروغ دیا، عراق، شام، [illegible]، ایران اور دوسرے ملکوں کے سوداگر یہاں آنے لگے، اور بہت سی چیزیں جن کا اس سے پہلے ہندوستان میں وجود بھی نہ تھا، یہاں بکثرت بازاروں میں آنے لگیں۔"

بھارت کا مشہور مورخ [illegible] کے بیان کے مطابق "ہندوستان کے اکثر مسلمان تاجر جو زیادہ تر سندھ، گجرات، کوکن، دکن [illegible] وغیرہ کے باشندے تھے، بڑے بڑے تجارتی جہاز رکھتے تھے اور مشرق بعید و مشرق قریب کے تمام ممالک سے تجارت کرتے تھے۔"

مورلینڈ لکھتا ہے کہ "اہل ہند نے اپنی بحری تجارت کی طرح بری تجارت و سفر کا بھی اچھا انتظام کر لیا تھا کہ اس عہد میں یقیناً ان کا بڑا کمال سمجھنا چاہئے۔"

ڈاکٹر ایس ایس سرکار ایم۔ اے۔ ڈی لٹ (آکسن) آنر پروفیسر کے ڈی ٹی ایم اے نے اپنی کتاب "ہینڈ بک آف ماڈرن انڈین ہسٹری" میں لکھتے ہیں۔

"مغلیہ عہد میں ہندوستان کی بیرونی تجارت کو بھی بڑا فروغ ہوا۔ یہاں یورپ اور ایشیا کے مختلف ممالک سے بہت سی قیمتی چیزیں آتی تھیں اور یہاں سے بھی مختلف اشیاء باہر جاتی تھیں۔ درآمد زیادہ تر سونا، چاندی، تانبا، ٹین، جست، سیسہ، قیمتی پتھر، مخمل، زربفت، عطر، دوائیں اور چینی کے برتن ہوتے تھے۔ بیرونی تاجروں کو زیادہ محصول نہیں دینا پڑتا تھا، لیکن وہ چاندی ملک سے باہر نہیں لے جاسکتے تھے، اس کی سخت ممانعت تھی۔ سورت میں درآمدی چیزوں پر ۳ فی صدی محصول تھا اور سونے چاندی پر دو فی صدی۔ ہندوستان جو چیزیں برآمد کرتا ان میں زیادہ تر سوتی کپڑے، گوند، [illegible]، مسالے، نیل، افیون اور خاص خاص قسم کی دوائیں ہوتیں۔"

بیرونی دنیا سے برعظیم ہندوستان کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں۔

"ابوالفضل ہمیں بتاتا ہے کہ اکبر کولمبس کی دریافت امریکہ سے باخبر ہو چکا تھا۔ اکبر کے جانشین کے عہد حکومت میں امریکہ کا تمباکو براہ یورپ ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ اور جہانگیر نے اس کے استعمال کی روک تھام میں بہت سی کوششیں [illegible] حیرت انگیز سرعت سے لوگ اس کے عادی ہو گئے۔ مغلوں کے دور حکومت کے آخری ایام تک وسط ایشیا سے ہندوستان کے تعلقات بہت گہرے رہے، یہ تعلقات [illegible] سے بھی قائم

۱؎ See History of India Elliot & Dowson. Vol: VI. P. 167 (S. M. [illegible])

ہو چکے تھے ۔ اپنے پنڈت بیگوں میں سے بیسی دتجا۔تی وفود کا ذکر ملتا ہے ۔ ایک روسی دوست نے مجھے بتایا کہ روس کی تاریخ میں بھی اس قسم کے حوالے موجود ہیں ۔ بیت ۱۵۳۳ء میں شہنشاہ بابر کا ایک سفیر خواجہ حسین معاہدہ دوستی استوار کرنے کے لئے ماسکو پہنچا تھا ۔ زار مائیکل ڈیڈرووچ (۱۶۱۳ - ۱۶۴۵ء) کے زمانے میں بعض ہندوستانی تاجر والگا کے کنارے بس گئے تھے ۔ ۱۶۲۵ء میں فوجی حاکم کے ایماء سے استراخان میں ایک ہندوستانی سرائے تعمیر کی گئی تھی ۔ ہندوستانی صنائع بالخصوص پارچہ بافی ماسکو بھی بھیجے جاتے تھے ۱۶۹۵ء میں روس کا سفیر تجارت سیمین میلنکی وارد دہلی ہوا ، اور اورنگ زیب نے اُسے باریاب کیا ۔ ۱۷۲۲ء میں جب شہنشاہ پیٹر اعظم استراخان گیا تو وہاں اس نے بھی ہندوستانی تاجروں کو ملاقات کا موقع دیا ۔"

DISCOVERY OF INDIA P.220

(بحوالہ ثقافت پاکستان ص ۳۶ - ۳۷)

شیر شاہ نے تجارت پر خاص توجہ دی ، سامان تجارت اور عوام کی سہولت کے لئے بڑی بڑی سڑکیں بنوائیں اس نے چنگی اور دوسرے ٹیکس جن سے تجارت میں مشکلات پیدا ہوتی تھیں موقوف کر دیئے ۔

کپتان الگزینڈر ہملٹن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :

" اورنگ زیب کے زمانہ میں حکومت نے تاجروں کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر اس قدر لے لی تھی کہ اگر ان کا مال چوری ہو جاتا تو حکومت خزانہ شاہی سے نقصان کی تلافی کر دیتی ۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ممالک نہیں کر سکتے تھے ۔ اسی تجارت اور مال کی درآمد کا نتیجہ تھا کہ صرف شہر سورت میں چنگی کی آمدنی تیرہ لاکھ تھی اور احمد آباد میں ایک کروڑ تیس لاکھ ۔"

یہ سیاح تجارتی جہازوں کے متعلق بیان کرتا ہے کہ

" تمام ساحل ہندوستان پر دیو پیکر جہاز ہوا کرتے ہیں جن میں ہندوستانیوں کے بڑے بڑے جہاز تجارتی مال سے لدے ہوئے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں ۔"

شری شیام سندر سابق ممبر میسور اسمبلی (بھارت) لکھتے ہیں کہ " شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں ہند کی تجارت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ مغربی ہندوستان کی بندرگاہیں سامان تجارت سے پٹی رہتی تھیں ۔ اسی تجارت کی بدولت یہاں کے باشندے جن کی بڑی اکثریت اس وقت بھی ہندوؤں پر مشتمل تھی ، بے حد خوش حال ہو گئے تھے ۔ باہر کے ملکوں میں ہندوستان کو " سونے کی چڑیا " کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور متعدد مغربی مفکروں نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان کی دولتمندی اور خوش حالی ہی نے یورپی قوموں کے ذہن میں اس ملک پر قبضہ کر لینے کا خیال پیدا کیا تھا ۔ (دین دنیا دہلی)

سلطان ٹیپو (میسور) کا پورا عہد حکومت جنگ و پیکار میں گذرا اور وہ میدان جنگ میں شہید ہوا ۔ ایسے فرمانروا کی تجارتی سرگرمیاں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ۔ میجر ایلن لکھتا ہے کہ

" ٹیپو ایک فرمانروا ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک جلیل القدر تاجر بھی تھا ۔ اس نے تجارت کے جو ضوابط مرتب کئے تھے اس کی رو سے سلطان کو صدر التجار کی حیثیت حاصل تھی اس نے تجارت سے متعلق ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا جس میں ۹ ٹریڈ کمشنر تھے ۔ ان کی نگرانی میں غیر ممالک سے تجارت کی غرض سے سترہ کوٹھیاں قائم تھیں ۔ تجارتی سلسلے میں سلطان کے عزائم نہایت بلند اور حوصلے بہت وسیع تھے ۔ وہ اسلامی ممالک سے بھی کاروباری تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا ۔

مسلمان تجار کی دولت و ثروت اور ان کی فیاضیاں

ان ہی تجارتی اولوالعزمیوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمان ملک کے

اور ثروت کے جو اثرات کتابوں میں ملتے ہیں ان پر حیرت ہوتی ہے تجارتی اور نوامر بیان خود صحابہ میں بھی تھیں چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے تاجر تھے۔ ان کی دولت مندی کا یہ حال تھا کہ وفات کے بعد ان کی چار بیویوں میں اسی اسی ہزار دینار فی کس تقسیم ہوئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بارہ لاکھ درہم نقد اور تین کروڑ درہم کی جائیداد چھوڑی۔ حضرت زبیر کی دولت کا اندازہ موجودہ زبانی اصطلاح میں دس ہزار ملین کی ہے۔ آپ کی چار بیویاں تھیں ہر ایک بیوی کے حصے میں گیارہ گیارہ لاکھ درہم آئے (ان میں سے ہر ایک کو تیسواں حصہ ملا تھا) تین کروڑ باون لاکھ کی جائیداد چھوڑی ہے کا ایک مکان چھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔ یہ ساری دولت صحابہ کرام کو تجارت سے حاصل ہوئی تھی۔

ان اصحاب کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں چالیس ہزار نقد پانچسو گھوڑے اور ڈیڑھ ہزار اونٹ مختلف مواقع پر حفاظت اسلام کے لئے خرچ کئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے سات لاکھ درہم ایک دن میں مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔

قلب کے ہٹی بیان کرتا ہے کہ بغداد کے صرف ایک جوہری ابن الجصاص کے قبضے سے اس زمانہ کی جمع کی ہوئی بے شمار دولت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہتے ہیں کہ اس جوہری کے پاس اتنی دولت تھی کہ خلیفہ وقت المقتدر باللہ نے ایک بار اس کی جائیداد میں سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دینار ضبط کر لئے تھے لیکن اس کے باوجود اس شخص کی دولت مندی میں کوئی فرق نہیں آیا اور وہ جوہریوں کے ایک خاندان کا گل سرسبد بنا رہا۔

بصرہ اور بغداد کے ان بڑے مچھلی والے بھی غریبوں اور مسکینوں کو روزانہ ایک سو دینار بطور خیرات تقسیم کر سکتے تھے۔ سیراف (ایران کا ایک تجارتی بندرگاہ) کے ایک صاحب جو صرف خانگی خرچ دس ہزار دینار اور بعض کا تیس ہزار دینار تھا۔

بہت سے بحری تاجروں کی فی کس سالانہ آمدنی چالاکھ سے بھی زیادہ تھی؟

مسلم سیاح ابن حوقل نے بہت سے حالات مسلمان تجار کی دولت مندی اور ثروت کے لکھے ہیں۔

سیراف ہی کے ایک تاجر کے متعلق لکھتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے مال کا ایک ثلث نکالا گیا جس کی قیمت دس لاکھ اشرفیاں تھیں یعنی ایک ملین اشرفی۔

عدن کے ایک تاجر رامشت کے سب سے چھوٹے لڑکے موسیٰ کے متعلق لکھتا ہے کہ نقرئی آلات جو موسیٰ کے زیر استعمال تھے، ایک دفعہ تولے گئے تو ایک ہزار دو سو من وزن ٹھیرا۔

رامشت کے ایک منشی جس کا نام علی نیلی بتایا ہے اس کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ آج سے بیس برس پہلے چین سے مال بیچ کر ہم جب لوٹے تو جو کچھ مجھ کو ملا تھا وہ پانچ لاکھ دینار کی پونجی تھی۔

ابن حوقل نے سیراف کے اور تاجر کے متعلق لکھتا ہے کہ اسے سمندر سے اتنی محبت تھی کہ وہ چالیس سال تک مسلسل جہاز ہی میں رہا اور جب کسی ساحل پر پہنچتا تو اپنے کسی آدمی کو وہاں بھیج دیا کرتا جو تمام ضروریات کی تکمیل ہر شہر میں کر دیتا اگر جہاز مرمت کے قابل ہوتا تو دوسرے جہاز پر منتقل ہو جاتا لیکن خشکی پر نہیں اترتا۔

کامل ابن اثیر میں بصرے کے ایک تاجر جس کا نام شریف عمر تھا، اس کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس کی سالانہ آمدنی تجارت سے دو کروڑ پچاس لاکھ درہم تھی۔

الغزی نے ایک طحان (چکی پیسنے والا) کے متعلق لکھا ہے کہ پہلے بصرے میں رہتا تھا معتصم باللہ کے زمانے میں بغداد چلا آیا تھا۔ یہاں کاروبار میں اس کو اتنا فروغ ہوا کہ ایک سو دینار (اشرفی) روزانہ زکوٰۃ کی مد میں خیرات کیا کرتا تھا۔

ہندوستان کی تاریخوں میں ایسے حالات ملیں گے کہ ایک ایک تاجر لاکھوں بلکہ کروڑوں کا بندوبست کر سکتا تھا

کہا جاتا ہے کہ سلطان محمد غوری نے ہندوستان پر آخری بار حملہ کرنے کی تیاری کی تو اس نے امام رازی سے روپیہ قرض لیا تھا، اس کا پتہ نہیں کہ یہ کتنا روپیہ تھا لیکن ظاہر ہے اور وہ بھی آخری فیصلہ کن مہم کے لئے قرض دس بیس لاکھ روپیہ کیا ہو سکتا ہے!   (مزار رسائل پیٹلے)

مشہور واقعہ ہے کہ سورت کے ملا عبد الغفور جو عالمگیری عہد کے تاجر ہیں ان کا سرمایہ کروڑوں روپیہ سے متجاوز تھا

(مآثر الامراء)

وہ بقول انگریز مصنف ملٹن سورت کے اس تاجر کا سرمایہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمایہ کے برابر تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے لڑکے محمد مراد بخش نے بندر سورت کی فتح کے لیے حاجی زاہد اور بیرجی بھورہ تاجران بندر سورت سے پانچ لاکھ روپے قرض لیے تھے ۱۰۵۸ھ میں اورنگ زیب نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو شخص بادشاہ پر کوئی دعویٰ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، محمد محسن پسر حاجی زاہد اور سیٹھ بیرجی بھورہ نے شہنشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں اس روپے کا دعویٰ پیش کیا۔ اورنگ زیب نے تحقیقات کے بعد قرض کی ادائیگی کا فیصلہ صادر کیا۔ اورنگ زیب کے انصاف کو یہ عالم تھا کہ محمد محسن نے دست بستہ عرض کیا: "دعویٰ کا مطلب یہ تھا کہ اپنا حق ظاہر کرے۔ یہ رقم (پانچ لاکھ روپے) حضور کی نذر ہے"

بیمہ

خلاصۃ التواریخ میں منشی سبحان رائے نے تجارت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ: اس ملک کے مہاجن اس قدر دیانت دار ہیں کہ اجنبی لوگ بھی لاکھوں روپیہ کی رقوم کسی دستاویز یا شہادت کے بغیر ان کے پاس جمع امانت رکھوا دیتے ہیں اور یہ لوگ حسب المطلب اسی وقت ادا کر دیتے ہیں۔ جو شخص باہر جانا چاہتا ہے وہ شخص یہاں ہر جگہ کوٹھیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور تھوڑی سی رقم اجرت کی ان کا روپیہ ادا کر دیا جاتا ہے۔ سوداگر بہت سے کوس اور راستوں کی خطرناکی کے باعث اپنا مال ان مہاجنوں کے سپرد کر دیتے ہیں، اور وہ سب مقام پر پہنچ کر بعینہ وصول کر لیتے ہیں اس خدمت کی کچھ اجرت ادا کر دی جاتی ہے اور اس کو بیمہ کہتے ہیں۔ یعنی موجودہ انشورنس اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی موجود تھے)   (بحوالہ مسلم ثقافت ہند)

مسٹر باشیلو گراہم نے جو تجارتی امور کے ایک ماہر ہیں، اپنے تجربات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھا

"اس بات کے علاوہ کہ صنعتی انقلاب سب سے پہلے مغرب میں رونما ہوا تھا، اور اس لئے کہ مغربی ممالک ہی دنیا بھر کو مصنوعات بہم پہنچانے کے باعث تجارت میں پیش پیش رہے تھے۔ مغربی ملکوں کی تجارت کی کامیابی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے ان میں اسلام کے اصول تجارت کو اپنا رہنما بنایا جو مثال کے طور پر ہم اپنے تجارتی مال کے معیار کو قائم رکھتے ہیں، اگرچہ بڑے سے بڑے باعث ہم اس کے معیار کو نہیں گرا سکتے اور ناقص مال کو اچھا کہہ کر فروخت کرنے کی بجائے جہاں میں کسی قسم کی شکایت موصول ہونے کی صورت میں اسے معذرت کے ساتھ بدل دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اور ہم نے تجارت کا یہ طریقہ اسلام کی اس تعلیم سے اپنایا ہے کہ اپنا ناقص یا عیب دار مال عیب ظاہر کئے بغیر فروخت کرنا نہیں چاہئے۔"

(اردو دنیا، ...)

اسلام اور آدابِ معاشرت

(حکیم محمد سعید صاحب دہلوی)

اسلام ایک مکمل دستورِ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے، وہ صرف پوجا پاٹ یا رسمی عبادات کا مذہب نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی زندگی کے ہر شعبے، ہر پہلو اور ہر گوشے کے لئے ہدایت اور رہنمائی مہیا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ انسانی زندگی کا ہر گوشہ اس کے اصولوں کی روشنی سے منور ہو۔ مسلمان ہونے کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ فرائض اور واجبات و سنن کو ادا کر دینے کے بعد انسان آزاد ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں جیسے چاہے کرے اور جن اصولوں کو چاہے اپنالے اسکی مذہبیت میں فرق نہیں آئے گا اور وہ عبادات کی چند رسوم ادا کرنے کے بعد اپنی دنیاوی زندگی میں دین کی پابندی سے بے نیاز ہے۔ اسلام دین مسجد تک محدود نہیں ہے بلکہ اسلام انسان کی پوری زندگی کو عبادت قرار دیتا ہے اور انسان کی زندگی کا مقصد ہی عبادت قرار دیتا ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

اور نہیں پیدا کیا ہم نے انسان کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کرے

پوری زندگی کو عبادت قرار دینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عبادت چند رسوم یا مسجد تک محدود نہیں رکھی گئی ہے بلکہ انسان کے ہر اس فعل کو عبادت قرار دیا گیا ہے جو احکام خداوندی اور شریعت محمدیہ کے مطابق ہو۔ آپ کا ہر وہ کام عبادت ہے جو آپ تسلیم و رضا کے جذبے کے ساتھ خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر اور خلق خدا کے فائدے کے لئے انجام دیں۔ مسلمان کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا، ملنا جلنا، لڑنا جھگڑنا، کھانا پینا، کمانا، اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہنا۔ دوستوں اور عزیزوں کی خدمت کرنا سب کچھ عبادت ہے اگر وہ اسلام کے خلاف نہیں ہے۔

انسانی زندگی کے لئے معاشرے کا وجود ناگزیر ہے معاشرہ ہی اس کو قرار و قیام اور بقا و دوام بخشتا ہے۔ اس کے بغیر وہ نہ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر سکتا ہے۔ رہبانیت کو اس لئے ہمارے آقا نے اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ زندگی اور معاشرے سے گریز کو کبھی صحت مند رجحان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر انسان نیک رہے۔ دنیا سے کنارہ کش ہو جانا مشکل سہی لیکن اس میں کچھ مزہ نہیں ہے، لطف تو جب ہے کہ انسان دنیا میں رہے مگر دنیا کی آلائشوں سے اس کا دامن پاک رہے۔ کانٹوں کے درمیان سے گذرے مگر آپ کا دامن الجھنے نہ پائے تو بات ہے۔

اسلام کی ان تعلیمات کی روشنی میں غور فرمائیے کہ جب وہ زندگی کے معاشرتی ڈھانچے سے انسان کو جدا کرنا نہیں چاہتا تو پھر اس نے معاشرتی زندگی کے آداب و اصول بھی ضرور مقرر فرمائے ہوں گے۔ زندگی کا کونسا میدان ایسا ہے جس کو اسلام نے رہنمائی کے بغیر چھوڑا ہو۔

اسلام نے ہر شعبۂ حیات کے لئے ہمیں رہنما اصول دیئے ہیں۔ تفصیلات میں اس نے ہمیں آزادی دی ہے مثلاً اس نے ہمیں اس کا پابند نہیں کیا ہے کہ ہم اپنی روزی کے حصول کے لئے ملازمت کا ذریعہ اختیار کریں یا تجارت کا ذریعہ یا صنعت کا وسیلہ۔ اسلام نے حرام و حلال کے حدود بتا دیئے ہیں۔ اس نے ہمیں بتا دیا ہے کہ ان حدود کو توڑ کر جا ہے تمہیں بظاہر فائدے نظر آئیں لیکن بالآخر وہ تمہاری اپنی زندگی کے لئے بھی تباہ کن ہوں گے اور تمہارے معاشرے کے بقا کے لئے مضر ثابت ہوں گے۔

اسلام نے جن آداب معاشرت کو ملحوظ رکھا ہے وہ ایک ایسے متوازن خوش حال اور بہتر و برتر معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں جو انسان کی دینی و دنیوی، انفرادی و اجتماعی فلاح و نجات کا ضامن ہے۔

انسان کو اپنی زندگی میں بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ان لوگوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ ان کے درمیان سکون و عافیت کے ساتھ رہنا۔ ان کے حقوق ادا کرنا۔ ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھنا۔ ان کے لئے راحت و مسرت کا سبب بننا اسلامی معاشرت کے آداب میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک سچا اور اچھا مسلمان اپنے والدین سے درشت کلامی نہیں کر سکتا۔ بیوی بچوں کی کفالت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ ملازم سے آقایانہ برتاؤ نہیں کر سکتا۔ سائل اور مسکین کو جھڑک نہیں سکتا۔ پڑوس کے دکھ درد سے غافل نہیں رہ سکتا وہ اگر بچوں کے پاس سے گذرے تو اس کے چہرے پر تبسم اور باتوں میں مٹھاس ہونی چاہئے۔ اس کو سلام میں پیش قدمی کرنی چاہئے۔ قرض دار کو مہلت دینی، لاچار کی مدد کرنی یتیموں، بیواؤں اور آشفتہ حالوں کی خبر گیری کرنی چاہئے۔

اسلامی آداب معاشرت کی رو سے کسی کی غیبت نہیں کی جا سکتی۔ کسی کے خلاف بدگوئی کا ارتکاب نہیں کیا جا سکتا چغل خوری سے اجتناب لازمی ہے۔ دشمن بھی اگر نادم و شرمسار نظر آئے تو اس کی پچھلی زیادتیوں کو فراموش کر دینا ضروری ہے۔

کاروبار اور تجارت میں امانت اور دیانت کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ ناپ تول میں کسی طرح کا ہیر پھیر نہیں کیا جا سکتا۔ بیوی کے حقوق ادا کرنا اولاد کے ساتھ یکساں شفقت و محبت کا برتاؤ، خستہ حال اور پریشان روزگار رشتہ داروں پڑوسیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات برتنا اسلامی آداب معاشرت کے خاص اجزا ہیں۔

غرض اسلام ہمیں ایسے آداب معاشرت دیتا ہے، اور ان کی بجا آوری پر اس طرح زور دیتا ہے کہ اگر واقعی ان کی تعمیل کی جائے تو دنیا ایک بار پھر ایک ایسا فلاحی معاشرہ دیکھ سکتی ہے کہ جس کا ذکر اسلامی تاریخ کے اوراق میں رہتا ہے مگر جس کی جھلک ہمارے موجودہ معاشرے میں کہیں نظر نہیں آتی۔

اسلامی آداب معاشرت کی تعمیل و تکمیل کے لئے جہاں انفرادی کوششوں کی ضرورت ہے وہاں اجتماعی طور پر بھی انہیں روبہ عمل لانے کی سعی و جہد ہونی چاہئے۔

بعض تصانیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

سیرت خاتم الانبیاءؐ بلا جلد	۱/۵۰	آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام	۱/۴۰
آداب النبیؐ	۱/۱۲	رویت ہلال	۰/۹۳
شہید کربلا بلا جلد	۰/۷۵	نقوش و تاثرات (سفر نامہ یورپ)	۵/۰۰
" " مجلد	۱/۱۲	گناہوں کا کفارہ	۰/۵۰
آلات جدیدہ کے شرعی احکام (اضافہ شدہ)	۲/۵۰	رفیق سفر مع احکام السفر	۰/۵۰
مسئلہ سود	۱/۲۵	قرآن میں نظام زکوٰۃ	۱/۵۰
ضبط ولادت عقلی و شرعی حیثیت سے	۱/۵۰	کشکول۔ علمی، تدریجی، اخلاقی، ادبی نثر و نظم متفرق مضامین کا عجیب و غریب مجموعہ	۴/۰۰

ملنے کا پتہ دارالعلوم کراچی ۱۴

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب
مدظلہ العالی

سانحۂ وفات

حضرت مولانا شبیر علی صاحب برادر زادہ حضرت حکیم الامت تھانوی

خانقاہ امدادیہ اور مدرسہ امدادیہ دارالعلوم تھانہ بھون کے مہتمم، قصبہ تھانہ بھون کے رئیس حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے برادر زادے جنکو ابتداء عمر سے حضرت حکیم الامت نے بجائے اپنی اولاد کی جگہ رکھ کر تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا تھا۔ ۲۰ رجب ۱۳۸۹ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو بعد مغرب اپنے مکان واقع ناظم آباد کراچی میں اچانک وفات فرما گئے جبکہ ظہر کے وقت تک کام میں مشغول تھے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس حادثہ فاجعہ سے تمام ہی علمی اور دینی حلقے متاثر ہوں گے خصوصاً تھانوی سلسلہ سے تعلق رکھنے والے حضرات تو آج اپنے ایک امام مربی کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے جو حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی خاص نشانی اور ان کی بہت سی خصوصیات کے تنہا وارث تھے۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی وفات بھی ۱۶ ماہ رجب ۱۳۶۲ھ میں ہوئی تھی اسی ماہ کی ۲۰ کو یہ ان کے جانشین بھی ان سے جا ملے۔

مرحوم کو حق تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی علمی اور عملی کمالات میں جو تفوق ہم سب پر عطا فرمایا تھا اس کی ساتھ وہ عمر میں بھی ہم سے آگے تھے، وہ جب مظاہر العلوم سہارنپور میں علوم و فنون حاصل کرنے کے بعد قرآن و حدیث کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث میں تعلیم پا رہے تھے تو میں ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔

مرحوم کا تذکرہ لکھنے کی تو مجھ میں صلاحیت نہیں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی جو ان کے ہم عمر بھی ہیں اور تھانہ بھون کے تمام کاموں کے ساتھی بھی وہی کچھ تحریر فرما سکتے ہیں، احقر نے ان سے درخواست بھی کی ہے۔ احقر کو بھی مرحوم کی صحبت و معیت اور تعلق میں چالیس سال گذرے ہیں سفر و حضر میں معیت رہی ہے ان کی ادائیں یاد تو ہمیشہ آتی رہیں گی مگر ضبط تحریر میں لانا آسان نہیں۔

اس وقت ان کی خصوصیات میں سے دو چیزیں سامنے آگئیں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ اول تو یہ کہ ہر علم و فن میں اعلیٰ استعداد کے مالک ہونے کے باوجود کبھی اپنے آپ کو عالمانہ شان کے ساتھ نہیں رکھا۔ اور صرف زبان سے نہیں یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ دل سے اپنے آپ کو عالم نہیں سمجھتے، ہم جیسے طالب علموں سے جو ان کے شاگرد کا درجہ رکھتے ہیں ان سے مسائل شرعیہ میں رجوع فرماتے اپنی رائے پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ یہ غایت تقویٰ اور تواضع کا اثر تھا جو ان کو حضرت رحمہ اللہ سے وراثۃً حاصل ہوا تھا۔

دوسرے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات اور اعلاء السنن جس میں اٹھارہ جلدوں کی ضخیم کتابیں اور احکام القرآن وغیرہ سب کی پہلی طباعت کا مکمل انتظام مولانا موصوف ہی کا کام تھا حضرت کے قلمی مسودات جن میں بکثرت عبارتیں قلم زد ہو کر حواشی بن جاتی اور پیچ در پیچ صورت میں لکھی ہوتی تھیں ان کو صحیح پڑھنا بھی ہر ایک کا کام نہ تھا، پھر کاتب سے اس کی کتابت کرانا اور تصحیح کا انتہائی اہتمام کرنے کے بعد اس کو طبع کرانا صرف انہیں کی خصوصیت تھی۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت قدس سرہٗ کی تصانیف و مواعظ سے جو عظیم فائدہ

حضرت مولانا ... نے ... مرحوم کے اس موضوع پر ایک مضمون لکھ دیا ہے، البلاغ کے آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے —— مدیر

امت کو پہنچایا ہے اس میں مولانا شبیر علی صاحب کا خاص حصہ ہے۔

اعلاء السنن حضرت قدس سرہ کی حیات میں مکمل نہ ہوسکی تھی مگر بھائی جان مرحوم کو اس کی لگن لگی ہوئی تھی۔ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے اپنی حیات میں تو اس کی طباعت کے مصارف اپنے پاس سے خود اٹھائے تھے جو کچھ اس حصہ اور چھپ کر ہو لگے اب اس کی طباعت کے وسائل بھی مفقود تھے مولانا مرحوم ہی نے اپنی مساعی جمیلہ سے وفات سے دو سال پہلے اس کی طباعت کو مکمل کرا کر مختلف علماء و مدارس اسلامیہ تک پہنچا دیا اور فن حدیث کا یہ نادر ذخیرہ محفوظ ہو گیا۔

دوسری اہم کتاب احکام القرآن تھی جس کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنی آخر حیات بلکہ مرض الموت میں شروع کرایا تھا اور تعجیل کے لئے قرآن کریم کی سات منزلوں کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ابتدائی دو جلدیں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو اور دو منزلیں مفتی محمد جمیل صاحب تھانوی کو ان کے بعد کی دو منزلیں پنجم و ششم احقر محمد شفیع کو اور آخری منزل ہفتم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کو سپرد فرمائی تھی۔ حضرت کی وفات کے وقت تک ایک بڑا حصہ اس تصنیف کا مکمل ہو چکا تھا اور بجز مولانا محمد ادریس صاحب کے حصہ کے باقی سب حصص میں کچھ کام بھی باقی تھا۔

بھائی جان مرحوم نے اعلاء السنن کی طباعت سے فراغت پانے کے بعد اس طرف توجہ فرمائی۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کی تالیف کردہ ابتدائی منزل کو دو جلدوں میں طبع کرا دیا اور آخری منزل مولانا محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کی تالیف کو بھی مکمل طبع کرا دیا۔ میرے حصہ کی منزل پنجم کی ایک جلد مکمل کر کے پریس میں دے چکے تھے، منزل ششم کی کتابت جاری تھی، وفات سے چند روز پہلے ٹیلیفون پر مجھے بتلایا تھا کہ منزل ششم کے آخری اجزاء جو تمہارے پاس ہیں ان کو جلد مکمل کر کے بھیج دو اب اسی حصہ کی کتابت ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مکمل کر چکا ہوں عنقریب بھیج دوں گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ میری ان سے آخری گفتگو تھی۔ اور ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

اب موجودہ جلد ان کی طباعت کا کیسا انجام ہو گا اور جن جلدوں کی تکمیل باقی ہے ان کی تکمیل ہو سکے گی یا نہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا، دل غمزدہ سے یہ چند سطور بھی بمشکل تحریر میں آسکی ہیں۔ حق تعالیٰ مرحوم کی مغفرت ظاہرہ و باطنہ سے نوازیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماوے۔ اللہم اجرہ فی جنانک ورحمتک و من یحانک و لا تحرمنا خیرا بعدہ۔

دوسرا سانحہ

مشرقی پاکستان میں پیرا کرد حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کے خلیفہ مجاز و حضرت شیخ الہند رحمہ کے بلا واسطہ شاگرد عالم باعمل مدرسہ اسلامیہ جیری ضلع چاٹگام کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا [illegible] صاحب ۷ شعبان ۱۳۹۴ھ کو اسی سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ ماشاء اللہ ان کے صاحبزادے بھی اہل علم ہیں دوسرے مدارس میں مشغول درس ہیں حق تعالیٰ ان کو اپنے والد کا صحیح جانشین بنائیں اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرماویں اور مرحوم کو مغفرت کاملہ سے نوازیں اور درجات عالیہ عطا فرماویں۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ شعبان ۱۳۹۴ھ

افادات: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
ضبط و ترتیب: ادارہ

دل کی دنیا

مقامِ زُہد

چیست دنیا؟ از خدا غافل شدن

"زہد" کے لغوی معنی ہیں: اپنی کسی مرغوب چیز کو کسی دوسری بہتر چیز کے لئے چھوڑ دینا۔ اسلامی اصطلاح میں زہد کا مطلب ہے آخرت کے لئے دنیا کو ترک کر دینا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ محض "ترک دنیا" کا نام "زہد" نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بے حسی کی بنا پر دنیا کو چھوڑ دے تو یہ "زہد" نہیں کہلا سکتا۔

پھر آخرت کے لئے بھی جس "ترک دنیا" کی ترغیب دی گئی ہے اس کا مطلب سمجھنے میں بھی بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، بعض حضرات "زہد" کو "رہبانیت" کا مترادف سمجھنے لگے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ کھانا پینا، تجارت یا کسب معاش کے ذرائع اختیار کرنا "زہد" کے خلاف ہے حالانکہ اس قسم کی "ترک دنیا" قرآن و سنت کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک تو ہیں دنیا کے مقاصد ضروریہ جن کے بغیر انسانی زندگی کی بقا ممکن نہیں اور جنہیں حاصل کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، مثلاً بقدر ضرورت کھانا، پینا اور حصول معاش کی کوشش ایسی چیزوں کو "حقوق نفس" کہا جاتا ہے، اور شریعت نے انسان کے ذمے ضروری قرار دیا ہے کہ "نفس" کے ان حقوق کو ادا کیا جائے، اور انہی حقوق کو ترک کرنے کا نام "رہبانیت" ہے جس کی قرآن کریم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اور حدیث میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

طلب المعاش فریضة بعد الفریضة

"طلب معاش فرائض اسلام کے بعد دوسرا فریضہ ہے"

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسی بنا پر اپنے متوسلین کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی صحت کا خاص خیال رکھا کریں کیونکہ وہ حقوق نفس میں سے ہے اور اگر صحت خراب ہو جائے تو آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔

دوسری چیز ہے "حظوظ نفس" یعنی وہ نفسانی لذتیں جن پر نہ انسان کی بقا موقوف ہے اور نہ ان کی تحصیل انسان کی فطرت میں داخل ہے، انسان انہیں محض اپنی زائد از ضرورت نفسانی خواہشات کی تسکین کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اس قسم کی خواہشات کو ترک کرنے کا نام "زہد" ہے اور یہ اسلام میں مطلوب و محبوب ہے۔ قرآن و حدیث یا فقہاء و صوفیاء کے کلام میں "ترک دنیا" سے مراد ہمیشہ یہ "زہد" ہی ہوتا ہے۔ "رہبانیت" نہیں۔

صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ "زہد" کے تین درجے ہیں۔

(۱) سب سے اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ مال و متاع سے دل میں ایسا اعراض اور نفرت ہو کہ کوئی بے مانگے بھی دے جائے تو اچھا نہ لگے۔ مگر اس نفرت کے باوجود اسے بقدرِ ضرورت استعمال کرے، اور ضروریات اصلیہ سے زائد حصے کو چھوڑ دے۔ یہ اعلیٰ مقام سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، آپؐ نے فرمایا۔

"مالی ولِلدنیا انما أنا کمثل راکب
استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکہا" (او کما قال)

مجھے دنیا سے کیا کام؟ میری مثال تو اس شہسوار کی سی ہے جو ذرا دیر کے لئے کسی درخت کی چھاؤں لیتا ہے، پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کا معمول کھانے پینے میں یہ تھا کہ بہت تھوڑی مقدار پر اکتفا فرماتے تھے۔ شمائل ترمذی کی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی "سیر" ہو کر کھانا تناول نہیں فرمایا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بعض اوقات ہم مہینوں تک صرف پانی اور کھجور پر اکتفا کرتے تھے۔

(۲) زہد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی نہ دنیوی مال و متاع سے بالکل نفرت کرتا ہو، اور نہ اس کی کوئی خاص رغبت ہو کوئی زائد از ضرورت چیز بھی مل گئی تو اللہ کا شکر کر کے استعمال کی، اور اگر کچھ نہ ملا تو بھی چنداں رنج و افسوس نہ ہوا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کا سارا مال چوری ہو گیا۔ چوروں نے ان کے گھر میں بالکل جھاڑو ہی دیدی ایک چیز نہ چھوڑی، حضرت رحمہ کو پتہ چلا تو چنداں ملال کا اظہار نہ فرمایا بلکہ ایک خاص کیفیت میں یہ مصرعہ پڑھا۔

ع ما ہیچ نداریم و غم ہیچ نداریم

اتفاق سے متوسلین کی کوشش سے وہ مال مسروقہ دوبارہ مل گیا، تو اس پر بھی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور اسے استعمال کیا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔

(۳) زہد کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کو دنیا کی طرف رغبت تو ہو، مگر اس کی فکر میں زیادہ نہ پڑے، اور اسی وجہ سے دنیا کی محبت اسے اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی یہ درجہ "قناعت" بھی کہلاتا ہے، اسی کو حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

چیست دنیا، از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی سونا چاندی اور بیوی بچے دنیا نہیں، دنیا یہ ہے کہ آدمی کی توجہات اور فکری و عملی توانائیوں کا سارا مرکز یہ چیزیں بن جائیں، اور وہ خدا سے غافل ہو جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص مالدار ہے مگر اس کی دولت اسے اللہ سے غافل نہیں کرتی تو یہ "دنیا" نہیں، اور اگر کسی کے پاس چار ہی پیسے ہیں، مگر انہیں میں اس کا دل الجھا ہوا ہے تو یہ "دنیا" ہے اور مذموم ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بہت بڑے تاجر تھے، ایک شخص ان کی بزرگی کا شہرہ سنکر ان کے پاس بڑی عقیدت کے ساتھ بیعت ہونے کے لئے پہنچا۔ مگر دیکھا کہ ان کے اوقات کا بڑا حصہ تجارت اور کاروبار میں صرف ہوتا ہے۔ اس کے دل میں شبہ پیدا ہوا اور اس نے اُن بزرگ سے کہا کہ: "حضرت! کیا یہ اتنا بڑا کاروبار زُہد کے منافی نہیں؟" بزرگ نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا، پھر ایک دن تفریح کے لئے وہ اپنے مرید کو لیکر آبادی سے دور نکل گئے۔ وہیں انہوں نے اچانک مرید سے کہا کہ: "بھائی! حج کرنے کو دل چاہ رہا ہے؟" مرید نے کہا: "حضرت! دل تو میرا بھی چاہتا ہے۔" بزرگ نے کہا: "پھر چلو!" اور یہ کہہ کر مکہ مکرمہ کی

سمت چل بسے۔ مرید نے کہا: حضرت! میری ایک چادر شہر میں رہ گئی ہے، فرمائیں تو لے آؤں؟ اس پر بزرگ نے فرمایا: "تمہیں اپنی چادر کی تو بڑی فکر ہوئی، مگر یہ نہ دیکھا کہ ہمارا کاروبار کس قدر پھیلا پڑا ہے۔ مرید کو اس موقع پر تنبیہ ہوا اور اس نے کہا کہ بات سمجھ میں آگئی"

حضرت مولانا رومیؒ نے ایک نہایت دلنشین مثال سے اس کو سمجھایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ انسان کی مثال کشتی کی سی ہے، اور دنیا کی مثال پانی کی سی ہے کشتی کے لئے پانی اس قدر ناگزیر ہے کہ کشتی اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتی، اور جب تک پانی کشتی کے اردگرد رہے اس کے لئے رحمت ہے، لیکن اگر یہی پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو وہی کشتی کی تباہی کا سامان بن جاتا ہے، بالکل یہی حال دنیا کا ہے کہ جب تک وہ انسان کے اردگرد رہے تو اس کے لئے رحمت ہے، لیکن اگر انسان کے دل میں داخل ہو جائے تو یہی دنیا انسان کو تباہ کر ڈالتی ہے ؎

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاکِ کشتی است

حقیقت یہ ہے کہ اس حکیمانہ مثال سے مولانا رومیؒ نے "دنیا" کی حقیقت اس طرح واضح فرمادی ہے کہ اس پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ بس! "زہد" کی روح یہ ہے کہ آدمی کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے خالی ہو، خواہ وہ بیوی بچوں کے بیچ میں رہے، کسب معاش کی کوششیں بھی کرے، کھائے اور پیئے بھی، آرام اور تفریح بھی کرے، لیکن ان میں سے کسی چیز کی محبت کو اپنے دل پر غالب نہ ہونے دے، اور اسے یاد خدا کے لئے مخصوص رکھے، اکبر نے کیا خوب کہا ؎

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں، جو گیا سو گیا، جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

ہمارے حضرت مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گذرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

اس زمانے میں "زہد" کے پہلے دو درجات کو حاصل کرنا مشکل ہے، اور اگر فقر و فاقہ حد سے گذر جائے تو موجودہ حالات میں گناہوں کا سبب بھی بن سکتا ہے، اس لئے محقق صوفیاء کا کہنا ہے کہ اس دور میں تیسرے درجے کو حاصل کرنے کی کوشش کیجائے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اپنے متوسلین سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سب کے بدلے فقر و فاقہ میں نے کرلیا ہے، تمہارا زہد یہ ہے کہ حلال راستوں سے معاش حاصل کرو، اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔

(بقیہ مضمون "خواتین اسلام") دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ دوپٹہ چاک فرمادیا اور اپنے پاس سے موٹے کپڑے کا دوپٹہ اڑھادیا (موطا مالک)

مسئلہ: عورتوں کو باریک کرتہ پہننا درست ہے مگر نہ پہنیں تو بہتر ہے، اگر پہنیں تو اس کا خیال رکھیں کہ ناف کے نیچے جو پیٹ کا حصہ ہے وہ نیچے بنیان سے ڈھکا ہوا رہے یا تہبند اور پاجامہ ناف سے ملا کر باندھیں، ناف سے نیچے کا حصہ ستر میں داخل ہے اس کا دکھانا گناہ ہے اور یہ حصہ کھلا ہوا ہو تو نماز بھی نہ ہوگی۔

جامعہ طبیہ اسلامیہ لائل پور

(منظور شدہ حکومت پاکستان)

طبی تعلیم کی ایک معیاری اسلامی درسگاہ

جہاں طبی بورڈ کے منظور شدہ چار رسالہ نصاب کے تحت
میٹرک پاس طلبہ کیلئے پہلے سال کا

داخلہ شروع ہے

جامعہ طبیہ اسلامیہ

ایسے نوجوانوں کیلئے تعلیم و تربیت کا خصوصی مرکز ہے جو
کہ علمی اور عملی تعلیم کے ساتھ ساتھ
طب اسلامی عربی زبان میں مہارت اور
دینی تعلیم و تربیت کے بھی متمنی ہوں

داخلہ کی درخواستیں بلا تاخیر آنا ضروری ہیں
تفصیلات کیلئے "دستور العمل" جامعہ طبیہ اسلامیہ مفت طلب فرمائیں

فاضل ماہرین فن اساتذہ کے علاوہ
جامعہ طبیہ اسلامیہ
کی
خصوصیات

طب اسلامی کی تعلیم اس انداز پر کہ
متعلم بدن انسانی کے اسرار اور رموز کے علم سے خالق انسان کی معرفت حاصل کرے
راسخ العقیدہ — مسلمان طبیب بننے کا جوہر پوشیدہ

نظام تربیت

اخلاقی اعتبار سے — اسلامی زندگی کی عملی حیثیت سے۔
شناخت ادویہ — دوا سازی — تشخیص و تجویز میں مہارت

علمی معیار

عربی تعلیم ۔ قرآن فہمی ۔ طب جدید ۔ طب قدیم۔

عملی تربیت

• دوائی پودوں کی کاشت • تجرباتی مشاہدات • شہد کی مکھیوں کے فارم
• مشروبات کی تیاری جدید طریق پر • ابریشم کی تیاری • عرقیات کو محفوظ رکھنے — ان شعبوں کی عملی تربیت کا انتظام • خوشخطی
• ماہرین فن خطاب — مجلس مذاکرہ۔

یہ خصوصیات ہیں جو
جامعہ طبیہ اسلامیہ کا مایہ الامتیاز ہیں

جن والدین کی خواہش یہ ہو کہ ان کے بچے • باعزت ذریعہ روزگار حاصل کریں وہاں ان کا ذہن عقیدہ اور کردار اسلامی ہو
جامعہ طبیہ اسلامیہ لائل پور
بفضلہ تعالیٰ ان کی ان نیک تمناؤں کا مرکز ثابت ہوگا۔

حکیم عبدالرحیم اشرف جامعہ طبیہ اسلامیہ جناح کالونی۔ لائل پور

از مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب
بلند شہری

خواتین اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

تیئسویں حدیث

وعن دحیة بن خلیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال اُتی النبی صلی اللہ علیه وسلم بقباطی فاعطانی منها قبطیة فقال اصدعها صدعین فاقطع احدهما قمیصا واعط الاخر امراتك تختمر به فلما ادبر قال وامر امراتك ان تجعل تحته ثوبا لا یصفها۔ رواه ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۶)

ترجمہ

حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصر کے بنے ہوئے قبطی کپڑے لائے گئے، ان میں سے آپ نے ایک کپڑا مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لینا، ایک ٹکڑے کا اپنا کرتہ بنا لینا اور ایک اپنی بیوی کو دے دینا وہ اس کا دوپٹہ بنا لے گی، جب میں رخصت ہو کر چلا تو آپ نے فرمایا (کہ چونکہ یہ باریک کپڑا ہے اس لئے) اپنی بیوی سے کہنا کہ اس کے نیچے ایک کپڑا اور لگا لیوے تاکہ (باریک) دوپٹہ کے نیچے کا نظر نہ آنے پائے (ابوداؤد شریف)

تشریح

عورت کے لئے باریک کپڑے پہننا منع ہے لیکن آجکل عورتوں میں باریک کپڑے پہننے کا فیشن ہو گیا ہے، دوپٹہ، کرتہ، فراک وغیرہ ایسے باریک ہوتے ہیں کہ سارا بدن نظر آتا ہے۔ پھر جو بالکل ہی بے حیا ہیں وہ تو اسی طرح بازاروں میں اور دکانوں میں سامان خریدتی پھرتی ہیں اور جن میں کچھ شرم ہے وہ اس طرح بازار میں تو نہیں جاتیں مگر ان کا باریک کپڑوں میں بیٹھنا، دیور اور رشتہ کے پھوپی کے لڑکوں اور گھروں میں کام کرنے والے نوکروں کے سامنے بے تکلف پھرتی رہتی ہیں۔ اب سے کچھ زمانہ پہلے تو یہ رونا تھا کہ عورتیں ماموں، پھوپی اور خالہ، چچا کے لڑکوں کے سامنے چہرہ کھولے آجاتی ہیں جو شرعاً سخت گناہ ہے مگر اب ...... چہرہ چھوڑ باریک کپڑوں کی وجہ سے اوپر کا پورا دھڑ عیاں ان کے سامنے کھولے پھرتی ہیں اور برقعہ میں نقاب ایسا اختیار کر لیا ہے جو خوب باریک جالی کا ہوتا ہے اور پورا چہرہ راستے کے چلنے والے سب مردوں کو نظر آتا ہے یہ سب باتیں شرعاً سخت گناہ ہیں۔

یہ تو پردہ کے اصول پر بات ہوئی۔ اب نماز کے بارے میں جو کوتاہی ہوتی ہے اس کو سمجھ لیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ عورت کا سارا بدن عورت ہے یعنی عورت کی نماز درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے چہرہ اور گٹوں تک

دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے علاوہ پورا جسم ڈھانکا ہوا ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر عورتوں کی نماز اس لئے نہیں ہوتی کہ سر پر ایسا باریک دوپٹہ ہوتا ہے جس میں سب بال نظر آتے ہیں، اور بعض عورتوں کی نماز اس لئے نہیں ہوتی کہ آدھی آستینیں کھلی ہوتی ہیں یا اگر ڈھانکی ہوتی ہیں تو ایسی باریک دوپٹے جس سے سب کچھ نظر آتا ہے۔ بعض عورتیں ساڑھی باندھتی ہیں اور بلاؤز اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ناف پر ختم ہوجاتا ہے اور آدھا پیٹ نظر آتا ہے اس طرح نماز نہیں ہوتی اس کو خوب سمجھ لیں، اگر باریک کپڑا پہنا جائے تو عورت کو چاہئے کہ اس کے نیچے دوسرا موٹا کپڑا پہن لیوے اور باریک دوپٹے کے نیچے موٹا کپڑا لگا لیوے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو حکم دینا کہ باریک دوپٹہ کے نیچے دوسرا کپڑا لگا لیوے تاکہ سر نظر نہ آئے۔ باریک کپڑا پہننے والی عورتوں کو حدیث شریف میں ننگی عورتیں بتایا گیا ہے مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا
قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ
يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ
عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوسُهُنَّ
كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا
يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا

دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو میں نے
نہیں دیکھا (کیونکہ ابھی ان کا ظہور نہیں ہوا
ہاں میرے بعد ظاہر ہوں گے) ایک گروہ ان
لوگوں کا جن کے پاس ایسے کوڑے ہوں گے
جیسی بیلوں کی دُمیں ہوتی ہیں، ان کوڑوں سے
(ظلماً) لوگوں کو ماریں گے، دوسرا گروہ ان
عورتوں کا جو پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی، یہ
(شوہر کے علاوہ دوسروں کو اپنی طرف)
مائل کریں گی اور خود مائل ہونے والی ہوں گی
ان کے پھیلے ہوئے سر ایسے ہوں گے جیسے
بختی اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہان ہوتے
ہیں، یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی
نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی۔

اس حدیث میں کپڑا پہننے کے باوجود ننگی فرمایا کیونکہ جو کپڑا چھوٹا ہو جس سے سینہ، ناف، بازو، پنڈلیاں، پیٹ ڈھکا ہو یا جو کپڑا باریک ہو جس سے سر اور دوسرے اعضا نظر آتے ہوں اس کا پہننا نہ پہننا برابر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا آجکل ہو بہو آنکھوں کے سامنے ہے۔ دیکھو کیسی سخت وعید ہے کہ اس طرح کی عورتیں (جن کا) اوپر حدیث میں ذکر ہوا جنت میں جانا تو درکنار اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ

یعنی اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں

اس سے معلوم ہوا کہ دوپٹہ سے سینہ ڈھانکنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہے اور آجکل اس کی اہمیت اور زیادہ ہے کیونکہ فراک اور جمپر ایسے چلے ہیں کہ نصف سینہ اور نصف کمر تقریباً کھلا رہتا ہے، صحابی عورتوں کو پردہ اور شرعی لباس کا بہت اہتمام تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ رحم فرمائے ان عورتوں پر جنھوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت کی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آیت وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ نازل فرمائی تو انھوں نے اپنی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لئے (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمن داخل ہوئیں جو

(بقیہ بر ص [illegible])

مولانا محمد رفیع عثمانی

آپ کے سوال

کرم اللہ وجہہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے آپ اس دعا کے ساتھ کیوں مخصوص ہیں۔ یہ جملہ سب سے پہلے کس نے کہا اور کیوں کہا؟

محمد مجتبیٰ از مانسہرہ، ہزارہ

ابھی تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس کا جواب نہیں ملسکا البتہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب جو امداد الفتاویٰ میں دیا ہے ہم وہ بعینہ نقل کئے دیتے ہیں۔

بعض علماء سے سنا ہے کہ خوارج نے آپ کے نام مبارک کے بعد سَوَّدَ اللّٰہُ وَجْهَهُ بڑھایا تھا، اس کے جواب کے لئے "کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْهَهُ" عادت ٹھہرائی گئی اور ایک بزرگ سے یہ سنا تھا کہ چونکہ آپ عہدِ طفلی میں اسلام لے آئے آپ کا وجہ (چہرہ) مبارک بت کے سامنے نہیں جھکا اس لئے یہ کہا جاتا ہے۔

(ص ۳۰۰ ج ۴)

خواتین کا تنہا سفر حج

عورتوں کو حج فرض ادا کرنے کے لئے بغیر مرد کے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

آفتاب مہدی نعمانی ڈیرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے شوہر یا محرم (ایسا مرد جس سے اس کا نکاح ناجائز ہے) کے بغیر سفر کرنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے۔ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ، فقال رجل یا رسول اللہ اُكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتْ امْرَأَتِي حَاجَّةً؟ قَالَ اذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ۔

(مشکوٰۃ ص ۲۲۱ ج ۱ کتاب الحج)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت سے تنہائی میں ہرگز نہ ملے۔ اور کوئی عورت ہرگز سفر نہ کرے سوائے اس صورت کے کہ اس کے ساتھ محرم ہو تو ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا نام فلاں فلاں جہاد کے لئے لکھ لیا گیا ہے، اور میری بیوی حج کو جارہی ہے؟ تو آپؐ نے

فرمایا کہ جاؤ تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

معلوم ہوا کہ عورت کو اپنے شوہر یا محرم کے بغیر کوئی سفر کرنا جائز نہیں خواہ وہ حج ہی کے لئے ہو اسی لئے فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ عورت پر اس وقت تک حج فرض ہی نہیں ہوتا جب تک اس کے پاس اپنا اور اپنے محرم کا سفر خرچ موجود نہ ہو۔ تاکہ عورت اپنے خرچ پر محرم یا شوہر کو اپنے ساتھ لیجا سکے۔

اگر کسی عورت کے پاس اپنے اور محرم کے خرچ کی بقدر روپیہ تو موجود ہو مگر شوہر یا کوئی محرم میسر نہیں جو اس کے ساتھ جا سکے تو ایسی صورت میں عورت پر حج کا نفس وجوب تو ہو جائے گا مگر جب تک کوئی محرم ساتھ جانے والا نہ ہو ادائیگی واجب نہ ہوگی اس لئے وہ یہ رقم محفوظ رکھے اور جب کوئی محرم ساتھ جانے والا مل جائے اس کے ساتھ حج کرلے، اور اگر اخیر عمر تک نہ ملے تو عورت کے ذمہ واجب ہے کہ وصیت کر جائے کہ میری طرف سے حج بدل کرادیا جائے۔

اور اگر زندگی ہی میں بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے ایسی حالت ہوگئی کہ اگر محرم بھی ساتھ جانے والا مل جائے تو سفر نہ کرسکے تو ایسی صورت میں وہ اپنی زندگی میں بھی حج بدل کرا سکتی ہے، بہرحال تنہا سفر جائز نہیں۔

(امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۱۲۸ کتاب الحج بحوالہ فتاویٰ شامیہ)

خواتین کو لکھنے کی تعلیم

لڑکیوں کو لکھنا سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

پردہ میں رہتے ہوئے جائز ہے، بلکہ اس زمانہ تو اس کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ دین سیکھنے کا ذریعہ اب صرف کتابیں رہ گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کو مامور فرمایا تھا کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنا سکھا دیں۔ (ابوداؤد)

البتہ مخلوط تعلیم، بے پردگی، اور اسی طرح کی دوسری خرافات جو آجکل تعلیم کے لئے لازم سی سمجھ لی گئی ہیں ان سے بچانا بہرحال واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

خواتین کی نماز باجماعت میں شرکت

عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مختصر جواب تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا بالاتفاق ممنوع ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ عورتوں کو عہد رسالت میں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ نماز کے لئے مسجد آنے کی اجازت تھی۔

شرائط (۱) خوشبو لگا کر نہ آئیں (۲) بن سنور کر نہ آئیں (۳) راستہ کے بیچوں بیچ نہ چلیں (۴) رات میں آئیں دن میں نہیں (۵) پردہ کے ساتھ آئیں (۶) عورتوں کی صف سب سے آخر میں (۷) عورتیں مسجد سے پہلے نکلیں اور مرد بعد میں (۸) کسی بھی مرحلہ میں مردوں کے ساتھ اختلاط لازم نہ آئے۔ (۹) بعض حالات میں یہ تاکید بھی ہوتی تھی کہ عورتیں سجدہ سے اس وقت تک سر نہ اٹھائیں جب تک کہ مرد سجدہ سے نہ اٹھ جائیں۔

جن احادیث میں یہ شرائط و ہدایات بیان کی گئی ہیں وہ ترتیب وار درج ذیل ہیں۔

۱۔ پہلی شرط کے بارے میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے فرمایا کہ

اذا شہدت احدٰکن المسجد فلا تمس طیباً (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۹۶ ج ۱)

جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو کسی قسم کی خوشبو نہ لگائے۔

۲۔ دوسری شرط کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

یا ایہا الناس انہوا نساءکم عن لبس الزینۃ والتبختر فی المسجد (ابن ماجہ)

اے لوگو! تم اپنی عورتوں کو مسجد میں زینت کرنے اور ناز و انداز سے چلنے پھرنے سے روکو۔

۳۔ تیسری شرط کے بارے میں مسجد آنے والی خواتین سے فرمایا:

لیس لکن ان تحققن الطریق علیکن بحافات

الطریق۔ فکانت المرأۃ تلتصق
بالجدار حتی ان ثوبہا لیتعلق بالجدار
من لصوقہا بہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۴ ج ۲)
تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم راستے کے درمیان میں
چلو، راستے کے کنارے پر چلا کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ
اس کے بعد عورتیں دیوار سے لگ کر چلا کرتی
تھیں حتی کہ ان کے کپڑے دیوار میں اٹکنے لگتے۔

۴۔ چوتھی شرط اس طرح بیان فرمائی۔
اذا استأذنکم نساءکم باللیل
الی المسجد فأذنوا لھن
(بخاری ص ۱۱۹ ج اول)
جب تم مردوں سے تمہاری عورتیں رات کو
مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو ان کو
اجازت دے دو۔
اس میں آپؐ نے اجازت کو رات کے ساتھ مشروط کیا ہے
جن بعض روایات میں رات کا ذکر نہیں، آ ذکر کر دیا گیا ہے
ان میں بھی قواعد کی رو سے یہ شرط ملحوظ ہوگی، شارحین حدیث
نے اس کی صراحت کی ہے۔
۵۔ پانچویں شرط قرآن حکیم میں مذکور ہے جو بہرحال اپنے
گھر سے نماز کے لئے نکلیں یا کسی اور کام سے۔
ارشاد باری ہے۔
یٰایھا النبی قل لازواجک وبناتک
ونساء المؤمنین یدنین علیھن
من جلابیبھن۔
اے نبی اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور تمام
مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر
اپنی چادروں کا تھوڑا سا حصہ لٹکا لیا کریں۔
جن اللہ کے بندوں کا نماز کے اپنے چہروں پر بھی چادر ڈال لیا
کرتی تھیں، بخاری کی روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

"عورتیں جب صبح کی نماز پڑھ کر واپس جاتی تھیں تو وہ
اس طرح لپٹی ہوئی ہوتی تھیں کہ تاریکی میں پہچانی نہیں
جاتی تھیں" (بخاری ص ۱۲۰ ج ۱)
بعض روایات میں ہے کہ "مسلمان عورتیں بدن
اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ
دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی" (حاشیہ ترجمہ قرآن حضرت
مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)
۶۔ چھٹی ہدایت کے الفاظ یہ ہیں۔
خیر صفوف النساء آخرھا وشرھا
اولھا۔ (مسلم ص ۱۸۲ ج ۱)
عورتوں کی سب سے اچھی صف آخری
صف ہے۔ اور سب سے بری صف
پہلی صف ہے۔
۷۔ ساتویں شرط کے بارے میں ام المؤمنین حضرت
ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
ان النساء فی عھد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کن اذا سلمن من المکتوبۃ
قمن وثبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ومن صلی من الرجال ما شاء اللہ
فاذا قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم قام الرجال
(بخاری ص ۱۱۹ ج اول)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
عورتیں فرض نماز سے سلام پھیرتے ہی اٹھ کر
چلی جاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اور دوسرے مرد بیٹھے رہتے تھے۔ پھر جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو مرد بھی اٹھ
جاتے۔
۸۔ آٹھویں شرط کے بارے میں ابوداؤد و بیہقی کی

روایت ہے کہ

عن ابی اسید انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وھو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فی الطریق، فقال استأخرن فانہ لیس لکن ان تحققن الطریق۔

(مشکوٰۃ ص ۴۰۵ ج ۲)

ابو اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد سے نکل رہا تھا کہ نکلتے وقت مرد اور عورتیں خلط ملط ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم راستہ کے وسط میں چلو۔

۹ — نویں ہدایت کے بارے میں حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ۔

لقد رأیت الرجال عاقدی أزرھم فی اعناقھم مثل الصبیان من ضیق الأزر خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال قائل یا معشر النساء لا ترفعن رؤسکن حتی یرفع الرجال۔

(مسلم ص ۱۸۲ ج اول)

میں نے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس حالت میں دیکھا کہ انھوں نے اپنے تہبند کی گرہ گلے میں باندھ رکھی تھی کیونکہ تہبند چوڑائی میں زیادہ نہیں تھے تو کسی نے یہ اعلان کیا کہ اے خواتین تم سجدہ سے اپنے سر اس وقت تک نہ اٹھاؤ جب تک کہ مرد سجدے سے نہ اٹھ جائیں

عہد رسالت میں ان تمام احتیاطی انتظامات اور پابندیوں کے باوجود بھی عورتوں کو ترغیب اسی کی دی جاتی تھی کہ وہ نماز مسجدوں کے بجائے گھروں میں ادا کیا کریں چنانچہ ابن عمرؓ عنہ سے روایت ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا نساءکم المساجد - وبیوتھن خیر لھن

رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ ص ۹۶)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو، لیکن ان کے لئے گھر مسجدوں سے بہتر ہیں۔

ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہے کہ

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی مخدعھا افضل من صلوٰتھا فی بیتھا۔ رواہ ابوداؤد

(مشکوٰۃ ص ۹۶ ج ۱)

عورت کا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرے میں پڑھنے سے افضل ہے۔

تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو مسجد میں آنے سے بالکلیہ منع نہیں کیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ عہد رسالت نزول وحی کا زمانہ تھا روز ہی نئے نئے احکام شریعت نازل ہوتے تھے جنھیں جاننے کا بہترین ذریعہ نماز باجماعت کی حاضری تھی کیونکہ عموماً آپ نماز سے پہلے یا بعد میں لوگوں کو شرعی احکام کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

نیز یہ دور انسانی تاریخ کا بہترین دور تھا جس میں فتنے اور معاشرتی برائیاں اتنی مغلوب ہوگئی تھیں کہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔

ممانعت کے اسباب

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حالات بدلنے لگے، ایک طرف تو علم دین اتنا پھیل گیا کہ سیکھنے کے لئے عورتوں کو مسجد میں آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، گھر گھر دینی علوم کے چرچے تھے۔ دوسری طرف معاشرتی برائیاں بھی ظاہر ہونے لگی تھیں کہ

عورتوں میں اس درجہ کی احتیاط باقی رہی تھی نہ مردوں میں۔ ظاہر یہی تھا کہ اب ان تمام شرائط اور قیود کی پوری رعایت نہ ہو سکے گی جن کے ساتھ خواتین کو مسجد میں جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

لَوْ اَدْرَكَ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
ما احدث النساء لمنعهن المسجد
كما مُنِعَتْ نساء بنی اسرائیل۔

(بخاری ص ۱۲۰)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے وہ حالات دیکھتے جو عورتوں نے اب پیدا کر دیئے ہیں تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے ضرور روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

انہی اسباب کی بنا پر عہد صحابہ ہی میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ البتہ ایسی بوڑھی عورتیں جن کے بارے میں کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ان کو نہیں روکا گیا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رح نے بھی ایسی بوڑھی عورتوں کے بارے میں کہا ہے کہ وہ رات کی نمازوں میں مسجد آسکتی ہیں۔

فتویٰ

لیکن فقہائے متاخرین نے فتویٰ اس پر دیا ہے کہ اب بوڑھی عورتوں کے لئے بھی نماز کیلئے مسجد میں آنا مطلقاً ممنوع ہے، نہ دن میں جا سکتی ہیں نہ رات میں۔ کیونکہ حضرت عائشہ رض کے ارشاد سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ فتنہ کا خوف نہ ہو، لہٰذا جس صورت میں فتنہ کا خوف ہوگا اسے ناجائز ہی قرار دیا جائے گا۔ اور اس زمانہ میں حالات اتنے بگڑ چکے ہیں فساد فکر کی ارزانی اور دیدہ دلیری کی وجہ سے معمر خواتین بھی مامون نہیں رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مطبوعات بیگم ہمایوں ٹرسٹ

مکتوبات امام ربانی: مترجمہ مولانا عبدالرحیم کلاچوی مرحوم۔ مصنفہ شیخ احمد فاروقی سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رح کے نام کوئی تعارف نہیں۔ آپ کے مکاتیب شہرہ آفاق حیثیت رکھتے ہیں جن میں شیخ نے نہایت زور سے ثابت کیا ہے کہ شریعت اور طریقت بالکل ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔ مولانا عبدالرحیم نے ان کے مکتوبات اس طرح قلم بند کئے ہیں کہ حضرت شیخ کی شخصیت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ کتاب کے شروع میں ڈاکٹر اقبال کی ایک مشہور نظم "پنجاب کے پیرزادوں سے" درج ہے۔ کتاب دیدہ زیب ہے، قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

فضائل صحابہ و اہل بیت: مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز خان

ارشاد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی: شاہ صاحب کی نادر تصنیف جو انہوں نے احیائے اسلام کیلئے فارسی زبان میں لکھی تھی۔ اب ہم متن کے ساتھ اردو زبان کا جامہ بھی پہنا رہے ہیں ـــ محمد ایوب قادری صاحب ایم اے نے بڑی کاوش سے مقدمہ لکھا ہے۔ اور ہم نے اس کو بڑی تقطیع ۱۸×۲۲ پر بڑے سلیقے سے شائع کیا ہے۔ قیمت مجلد ۵۰/۷

جامع الآداب: از مولانا عبدالرحیم سابق پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور۔ یہ ایک مصری کتاب "آداب الفتے" کا اردو ترجمہ ہے۔ اور معاشرے کے ہر پہلو اور آداب اسلامیہ پر مشتمل ہے۔ سائز ۲۲×۳۶، ۱۶ صفحہ کاغذ، لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ قیمت چار روپے۔

جواہر العلوم: مع مقدمہ از مولانا عبد السلام ندوی و مترجمہ مولانا عبدالرحیم صاحب۔ علامہ جوہری طنطاوی کی یہ کتاب قرآنی آیات متعلقہ مناظر قدرت کی تفسیر ہے۔ ادارہ نے ختم کئے بغیر چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ ہم نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ سائز ۲۲×۳۶، ۱۶ صفحہ کاغذ ضخامت ... صفحات، قیمت ۵۰/۶ روپے۔ چاروں کتابوں کے ساتھ آنحضرت صلعم کا خطبہ حجۃ الوداع شائع ہے۔

بیگم ہمایوں ٹرسٹ ۵۸ ریلوے روڈ لاہور

طہارت نصف ایمان ہے

(حدیث)

سوان برانڈ صابن

آپ ضرور پسند فرمائیں گے یہ صاف
ستھرے اور اجلے کپڑے دھوتا ہے

یکے از مصنوعات

ذوالفقار انڈسٹریز لمیٹڈ

CHAVER

از مسعود

یہ مغربی تہذیب ہے

تہذیب کے مرکز میں حیا ناچ رہی ہے

تہذیب کے مرکز میں حیا ناچ رہی ہے —!

نیویارک ۱۵ جولائی (اے پی پی) امریکی قوم اخلاقی اور تہذیبی حیثیت سے دیوالیہ ہو گئی ہے، اور اب اس قوم میں کسی قسم کی اعلیٰ تہذیبی اقدار باقی نہیں رہی ہیں اس کی تازہ ترین مثال دو جواں سال مردوں اور دو جواں سال عورتوں کے برہنہ رقص سے ملتی ہے جو کل رات انھوں نے نیویارک کے مشہور تجارتی مرکز وال اسٹریٹ میں کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ نوجوان مرد اور عورتیں جارج واشنگٹن کے مجسمہ کے قریب اسٹاک ایکسچینج جانے والی سڑک پر دس منٹ تک عریاں رقص کرتے رہے۔ غیر ملکی سیاحوں نے انھیں اس عالم مستی میں دیکھا لیکن وہ پولیس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی کپڑے پہن چکے تھے ——— (حریت ۱۵ جولائی ۸۰ء)

تیس منٹ میں ساڑھے چھ بوتل بیئر پی گیا

ویسٹ اسٹاڈ (مغربی جرمنی) ۱۹ جولائی (پ پ۔ اے۔ ایف۔ پی)

مغربی جرمنی کے ایک پچیس سالہ مزدور کرسٹین کرامس نے کل بیئر (شراب) پینے کا غیر سرکاری عالمی مقابلہ جیت لیا وہ تیس منٹ میں ساڑھے سات لٹر یعنی ساڑھے چھ بوتل بیئر پی گیا، اس نے بڑی آسانی کے ساتھ باویریا والوں کو شکست دیدی جو بلانوشی میں مشہور ہیں مقابلے میں دوسرے نمبر پر جو شخص آیا اس نے آدھے گھنٹہ میں صرف آٹھ پوائنٹ یعنی کوئی چار بوتلیں بیئر پی ——— (جنگ ۲۱ جولائی ۸۰ء)

ٹیلیویژن پروگرام دیکھ کر خودکشی کرلی

شکاگو ۲۱ اگست (اے پی پی) ایک دس سالہ بچے رابرٹ ڈکسن کو ہفتے کے روز تہہ خانے کے کمرہ میں مردہ پایا گیا، ڈکسن نے کمر کی پیٹی کو کپڑا لٹکانے کی تار کے گرد لپیٹ کر اس کے دوسرے سرے کا پھندا بنا کر گلے میں ڈال رکھا تھا ڈکسن کی موت کا سبب پہلے اس کے والد کو پتہ چلا، تحقیقات کے دوران ڈکسن کے دادا اور دادی نے پولیس کو بتایا کہ وقوعہ کی رات سونے کے لئے جانے سے پہلے ڈکسن نے ٹیلیویژن پر ایک پروگرام دیکھا تھا جس میں ایک شخص کو گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا ——— (جنگ ۲۳ اگست)

محمد علی
سال ششم دارالعلوم کراچی

امام زفر بن ہذیلؒ

مجتہد مطلق امام زفرؒ اپنی تحقیق و استنباط میں مجتہد مطلق کا درجہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کرتے تھے، اور امام صاحب کے اقوال کی بڑی عظمت کرتے تھے۔ امام زفرؒ مجتہد فی المذہب تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ امام زفرؒ امام صاحب کے اقوال کی اس جگہ موافقت کرتے جہاں پر ان کو ان اقوال کے دلائل اور ماخذ پر پوری پوری واقفیت اور بصیرت ہو جاتی تھی محض تقلید سے کام نہیں لیتے تھے۔ اور جب تک ان اقوال کے دلائل پر مطلع نہ ہو جاتے تھے موافقت نہ کرتے تھے۔

ابو عاصم ضحاک فرماتے ہیں کہ میں نے امام زفرؒ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں جن قولوں میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتا ہوں۔ وہ امام صاحب ہی کا کوئی قول ہوتا ہے۔ ابو عاصمؒ نے کہا کہ امام زفر فرماتے تھے کہ میرے جمیع اقوال امام صاحب ہی کے اقوال ہوتے ہیں جو انھوں نے پہلے کہے تھے۔ پھر اس کے بعد امام صاحب اور کچھ دقائق پر واقف ہوئے تھے جن تک ہماری رسائی نہیں ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے امام صاحب اپنے پہلے اقوال کے خلاف کرتے تھے۔ اور ہم ان دقائق کی عدم واقفیت کی وجہ سے پہلے اقوال پر جمے رہتے تھے۔ امام زفر فرماتے تھے کہ امام صاحب کی وفات کے بعد ان کے کسی قول کے خلاف کرنے کی مجھے جرأت و ہمت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کبھی میں نے ان کی زندگی میں ان کے کسی قول کے خلاف کیا اور اپنی تائید میں کوئی دلیل پیش کی تو اسی وقت امام صاحب ہمارے سامنے ایسی مضبوط اور واضح دلیل پیش کرتے تھے کہ اس دلیل کو مان کر ان کے قول کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے اقوال کے خلاف کیسے کروں؟ جن باتوں میں امام زفرؒ امام صاحب کے اقوال کی موافقت کرتے تھے وہ تقلید کے طور پر نہیں بلکہ اُن کے دلائل پر جب اطمینان کلی ہو جاتا تھا تب ان مسائل میں امام صاحب کی موافقت کرتے تھے ورنہ جن دلائل کا علم اور اطمینان نہیں ہوتا تو اس صورت میں اپنی دلیل پر قائم رہتے تھے یہی اجتہاد کے معنی ہیں، اور خود امام صاحب دوسروں کو اندھا دھند تقلید سے منع فرماتے تھے۔ اور ان کو حکم کرتے تھے کہ تمہارے پاس جو دلیل ہو۔ اس کو بیان کرو، تاکہ اس میں بحث مباحثہ کرنے کے بعد حق واضح ہو جائے۔ دلائل قائم کرنے اور مسائل کی تحقیق میں امام صاحب کے شاگردوں کو ایک بڑا مقام حاصل تھا بلکہ امام صاحب تو یہ فرماتے تھے کہ کسی کے لئے میرے قول پر فتویٰ دینا اس وقت تک حلال نہیں۔ جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس قول کا ماخذ کیا ہے۔

استدلال کا جواب

ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے امام زفر کو کہا کہ یہ حدیث ہے "الحدود تندرئ بالشبہات" اور آپ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ادنیٰ شبہ سے بھی حدود ساقط ہو جاتی ہیں، حالانکہ بعض موقعوں میں آپ حضرات قوی شبہ موجود ہونے کے باوجود بھی حدود کو ساقط نہیں کرتے؟ امام زفر نے فرمایا کہ بھلا وہ قوی شبہ کیا ہے؟! ابن مہدی نے عرض کیا کہ آپ حضرات کافر کے بدلے میں مسلمان کے قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ صاف حدیث موجود ہے۔ کہ "لا یقتل مومن بکافر .... الخ" اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ پس اس حدیث کی وجہ سے مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کرنے میں یقیناً قوی شبہ موجود ہے پھر بھی آپ حضرات اس شبہ کا لحاظ کئے بغیر حد و قائم کرتے ہیں یعنی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم کرتے ہیں۔ اس پر امام زفر نے فرمایا کہ آپ گواہ رہئے کہ میں اس مسئلہ میں رجوع کرتا ہوں۔ لیکن امام صاحب کے مذہب کے بھی بہت سے قوی دلائل موجود ہیں۔ اجلہ صحابہؓ جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور خلیفہ پنجم حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ جیسے حضرات کے آثار موجود ہیں، کہ ان حضرات نے کافر معاہد کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا۔ نیز بہت سے احادیث مرسل بھی امام صاحب کی تائید میں موجود ہیں، علاوہ ان باتوں کے حدیث مذکورہ "لا یقتل مومن بکافر" میں کافر سے مراد کافر حربی ہے جن سے کوئی معاہدہ وغیرہ نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس حدیث کا دوسرا جملہ اس کا شاہد ہے .... "ولا ذو عہد فی عہدہ" یعنی جیسے مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اسی طرح ذمی کو بھی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اب اس حدیث کے دوسرے ٹکڑے کو پہلے ٹکڑے کے ساتھ ملانے سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں جو کافر کا ذکر آیا ہے اس سے "کافر حربی" مراد ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذمی کو بھی قتل کے معاملے میں مسلمان کا درجہ دیا ہے جب ہی تو اس پر عطف کر کے کہا گیا ہے "ولا ذو عہد فی عہدہ"۔

بصرہ کی قضا

حافظ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں کہ ابو نعیم نے کہا کہ امام زفر بڑے ثقہ اور مامون اور بڑے متقی پرہیزگار تھے۔ اور فن حدیث میں بھی رجال ثقات میں شمار ہوتے تھے۔ ابو نعیم نے بھی کہا ہے کہ امام زفر فن حدیث میں ثقہ، پرہیزگار اور متقیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "انتقاء" میں لکھا ہے کہ زفر، ابو حنیفہ کے کبار اصحاب میں شمار ہوتے تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ امام زفر ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے قیاس میں سب سے اونچا مقام رکھتے تھے۔

امام زفر اپنے بھائی کی میراث کے سلسلہ میں بصرہ تشریف لائے اور اہل بصرہ نے پھر آپ کو نہ جانے دیا۔ اور امام زفر بصرہ کے قاضی (مقرر کر دیئے گئے) جب امام زفر بصرہ کے قاضی مقرر ہو گئے تو وہاں کے علماء سے فقہ، اصول فقہ میں بات چیت کرتے۔ اور جب امام زفر اپنے کسی قول کی مقبولیت اور اس کی استحسان و عظمت ان علماء کے دلوں میں محسوس کرتے تو فرماتے تھے کہ یہ قول میرے استاد امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ کہتے کہ کیا ابو حنیفہ اس قسم کی ایسی اچھی بات کہہ سکتے ہیں تو امام زفر فرماتے کہ ہاں اس سے بھی زیادہ عمدہ عمدہ، اچھی اچھی باتیں فرماتے ہیں اسی طرح جب کبھی اپنے قول کی مقبولیت اور اس کی پسندیدگی ان حضرات میں محسوس کرتے تو فرماتے یہ میرے استاد امام ابو حنیفہ کا قول ہے اس پر یہ علماء بڑا تعجب کرتے تھے کافی عرصہ تک اسی طرح امام زفر اپنی حکمت عملی سے کام لیتے رہے یہاں تک کہ ان حضرات میں سے جو حضرات امام صاحب کے کٹر دشمن تھے وہ امام صاحب کے جان نثار دوست بن گئے، اور جو لوگ امام صاحب کی شان میں بد زبانی کرتے تھے وہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے۔ امام زفر امام صاحب کی وفات کے بعد جانشین ہوئے، پھر امام زفرؒ۔

کے بعد امام ابو یوسفؒ اور امام ابو یوسفؒ کے بعد امام محمدؒ جانشین ہوئے۔

دنیا سے بے تعلقی

ابراہیم بن سلیمان فرماتے ہیں کہ ہم جب امام زفرؒ کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو ہم میں سے کوئی ان کے سامنے دنیا کا تذکرہ نہیں کر سکتا تھا اگر کوئی ان کے سامنے دنیا کا تذکرہ کرتا تو وہ فوراً اس مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے اور ہمارے درمیان یہ بات بالکل مشہور تھی کہ اللہ تعالیٰ کے خوف نے امام زفرؒ کو قتل کر دیا ہے اسی وجہ سے صرف اڑتالیس برس کی عمر میں اتنی جلدی وفات ہو گئی۔

سیر چشمی

ایک دفعہ امام زفرؒ یزید ابن مہلب کے پاس ملنے کے لئے تشریف لائے، اور اپنے ساتھ پچاس اونٹ کے بوجھ کے برابر سامان بطور ہدیہ ساتھ لائے۔ اندر اطلاع کرائی یزید ابن مہلب کے بیٹے مخلد آئے۔ اور امام زفر کو اپنے ہمراہ اپنے والد صاحب کے پاس لے گئے۔

امام زفرؒ:- السلام علیکم، میں آپ کے لئے یہ پچاس اونٹ کا بار لایا ہوں۔

یزید ابن مہلبؒ:- میں آپ کی خدمت میں سو اونٹ کا بار پیش کرتا ہوں قبول فرمائیے۔

امام زفرؒ:- آپ کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ کے علاوہ کسی سے مدد طلب کی جائے یا آپ سے مدد طلب کیجئے اور میں اس میں سے ہرگز کچھ بھی نہ لوں گا۔

یزید ابن مہلب:- کیا وجہ ہے؟

امام زفرؒ:- اگر میں نے یہ مال قبول کر لیا، تو مجھے اس مال سے کئی گنا زیادہ اپنی آبرو کو قربان کرنا پڑے گا۔

یہ کہہ کر آپ فوراً نکل گئے اور مال ابن مہلب کو بھی قبول نہ کیا۔ امام زفر کا عطیہ بھی قبول نہ کرنا۔ ان کی بے نیازی اور اعلیٰ حوصلگی پر دلالت کرتا ہے۔

بہترین استاد

ملیح ابن وکیع فرماتے ہیں کہ میرے والد فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کا جب انتقال ہو گیا تو لوگ امام زفرؒ کی طرف متوجہ ہوئے اور امام ابو یوسف کے حلقہ درس میں اکا دکا آدمی آتے تھے۔

دوسرا نکاح

بصرہ میں جب امام زفرؒ کے بھائی کا انتقال ہوا تو امام زفر بصرہ تشریف لائے، پھر اہل بصرہ نے جانے نہ دیا۔ اور بصرہ ہی میں بودوباش اختیار کرنے پر زور دیا، امام زفر نے بصرہ میں بودوباش اختیار کر لی اور بیوہ بھاوج سے نکاح کر لیا۔

وفات اور وصیت

پھر تھوڑے عرصہ بعد بصرہ ہی میں صرف اڑتالیس برس کی عمر میں شعبان ۱۵۸ھ [illegible] اپریل ۷۷۵ء میں آپ کی وفات ہوئی، مرض الموت میں امام ابو یوسفؒ اور دوسرے حضرات ان کی عیادت کے لئے آئے، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ آپ کوئی وصیت نہیں فرماتے! امام زفر نے فرمایا یہ جو مال و متاع آپ دیکھ رہے ہیں یہ سب بیوی کا ہے، اور یہ تین ہزار درہم میرے بھتیجے کے ہیں۔ مجھ پر کسی کا قرض نہیں۔ اور نہ میرا کسی پر قرض ہے۔

تین درہم

بشیر ابن قاسم فرماتے ہیں کہ جب امام ابن زفرؒ کا آخری وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ رہا ہوں جس پر مجھے قیامت کے دن حساب کا اندیشہ ہو، جب انتقال ہو گیا تو ان کے ذاتی مال کی قیمت لگائی گئی تو وہ تین درہم کو بھی نہیں پہنچی تھی۔

حل حدیث: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بندوں میں مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو افطار میں سب سے زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ یعنی غروب ہوتے ہی فوراً افطار کر لیتا ہے۔ اور اسے اس میں جلدی کا اہتمام رہتا ہے۔

(ترمذی عن ابی ہریرہؓ)

نقد و تبصرہ

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے)

تفسیر ماجدی جلد اول

مؤلف: مولانا عبد الماجد دریابادی۔
شائع کردہ: صدق جدید بک ایجنسی
کچہری روڈ، لکھنؤ
۲۲×۲۰ سائز ۔ ۶۹۰ صفحات
قیمت اٹھارہ روپے

جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مد ظلہم العالی کی لکھی ہوئی معروف اردو تفسیر کا دوسرا ایڈیشن ہے جو نئے ترمیم و اضافہ کے ساتھ خود اپنے اہتمام سے شائع فرمایا ہے۔ اس جلد میں سورۂ فاتحہ سے سورۂ آل عمران کے ختم تک کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ چار سو چھپی ہوئی ... سے بالکل الگ رہ کر سالہا سال سے علم و ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قرآن کریم کی تفسیر میں ہر زبان میں بے شمار لکھی گئی ہیں ... ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا۔ البتہ ہر تفسیر اپنی بعض خصوصیات میں دوسری تفاسیر سے ممتاز ہوتی ہے۔ مولانا مد ظلہم کی زیر نظر تفسیر میں چند خصوصیات ہمیں مطالعہ کے دوران خاص طور سے نظر آئیں۔

اس تفسیر کی سب سے پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ یہ ایک ایسے صاحب علم و فکر بزرگ کی لکھی ہوئی ہے جو اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں عرصہ دراز تک فلسفے کے میدان میں بسنے کے بعد قرآن کریم کی طرف آئے تھے، اس لئے وہ جدید ذہن کی دکھتی ہوئی رگوں سے بخوبی واقف ہیں، اور جن مقامات پر آج کل کا ذہن طرح طرح کے اعتراضات کھڑا کرتا ہے، وہاں سے وہ اپنے قاری کو بڑی سلامتی کے ساتھ گذار کر لے گئے ہیں۔ —— اعتراضات کو دور کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے اعتراض قائم کیا جائے اس کے بعد اس کا جواب دیا جائے، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بات اس طرح کہہ دی جائے کہ اعتراض ذہن میں پیدا ہی نہ ہو۔ مولانا نے بیشتر مقامات پر اس دوسرے طریقے کو اختیار فرمایا ہے۔ مثلاً ختم اللہ علی قلوبہم کے ذیل میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفر اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل؛ بندہ کے کفر اختیاری کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا

مسّبّب الخ" (ص ۲۷)

تقریباً ایسی ہی ایک بات اس سے زیادہ واضح الفاظ میں، یُضِلُّ بِہٖ کی تفسیر میں مولانا فرماتے ہیں۔

"یُضِلُّ بِہٖ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ بندہ جب اپنی رائے اور ارادہ سے گمراہی اختیار کرنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا بھی سامان بہم پہنچا دیتا ہے، یہ نہیں کرتا کہ سامان تو اکٹھے ہو جائیں اور نتیجہ برآمد نہ ہونے دے۔" (ص ۵۸)

جنت میں جسمانی نعمتوں کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بعض روشن خیالوں کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انھوں نے اس معنی ہی سے انکار کر دیا..... لیکن اگر جنت کا اقرار ہے تو پھر وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے لحاظ سے صحیح ہیں نہ عقل کے اعتبار سے، جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا۔" (ص ۵۴)

قرآن کریم نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اگر واقعۃً تم اس پر یقین رکھتے ہو کہ آخرت کی نعمتیں صرف تمہیں ہی ملیں گی تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے؟ اس پر ایک مشہور اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے بڑی ہی دلنشین بات لکھی ہے:

"قدیم مفسرین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہی مطالبہ یہود بھی تو الٹ کر مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر سکتے تھے..... لیکن حقیقۃً یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کوئی مسلمان کب اپنی نجات کو محض مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانے سے یقینی سمجھتا ہے؟..... اسلام تو اس نسلی تقدیس اور اضطراری نجات کے عین منافی ہے..... مسلمان تو خود کہتا ہے کہ مجھے اپنا انجام نہیں معلوم، میں ایمان اور طاعت کی راہ اپنی طرف سے اختیار کر کے آگے فضل خداوندی کا منتظر ہوں الخ" (ص ۶۵)

اس تفسیر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مولانا نے قدیم علوم اور جدید تحقیقات کو قرآن کریم کا خادم بنا دیا ہے اور بہت سے تاریخی واقعات اور جغرافیائی حالات کی تحقیق فرمائی ہے، مگر بعض لوگوں سے مرعوب ہو کر خواہ مخواہ قرآن کریم کی مسلّمہ تفاسیر سے انحراف نہیں کیا۔ چند باتیں جن سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا درج ذیل ہیں، حضرت موسیٰ کے لئے بارہ چشمے جاری ہوئے تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں، قرآن کریم نے کہاں سے گڑھ کر کہہ دیا؟ قدرت نے سوال کا جواب مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا؛ جارج سیل ..... لکھتا ہے "چٹان میں اس وقت چوبیس سوراخ موجود ہیں..... بارہ ایک طرف اور بارہ ان کے مقابل جانب" (ص ۱۱۶)

قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ یہودیوں پر مسکنت (افلاس) طاری کر دی گئی ہے۔ شبہہ ہوتا ہے کہ آجکل یہودیوں کی مالداری مشہور ہے، مولانا فرماتے ہیں:

"دولت و ثروت جتنی بھی ہے وہ قوم یہود کے صرف اکابر و مشاہیر تک محدود ہے۔ ورنہ عوام یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے، جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے..... یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں وہاں کی آبادی میں انھیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔ جلد ۱۰ ص ۱۵۱" (ص ۱۲۰)

اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا کے تحت مولانا لکھتے ہیں:

"مسیحیوں کے ہاں ایک زبردست فرقہ اتحادیوں

لہ اس لفظ کو مسبّب (کسرہ با) پڑھ کر ترجمہ صحیح ہو جاتی ہے مگر یہاں کے لئے زیادہ واضح لفظ "سبب" تھا۔

(Adoptionists) کا گذرا ہے ...... آیت میں صاف اشارہ مسیحیت کی اس شاخ کی جانب ہے" (ص ۱۴۳ ج ۲)

قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ مٹی کے پرندے بنا کر ان پر پھونک مارتے تھے تو ان میں جان پڑ جاتی تھی۔ چونکہ موجودہ بائبل میں یہ معجزہ مذکور نہیں ہے اس لئے بہت سے غیر مسلم اس پر اعتراض کیا کرتے تھے، مولانا لکھتے ہیں:

"جو انجیل کلیسائے قبط (مصر) کی مستند الیہ ہے اس میں یہ صاف مذکور ہے، جیسا کہ ڈاکٹر بیج نے اپنی کتاب "لیجنڈس آف اور لیڈی میری" کے مقدمہ ص ۲۹ میں نقل کیا ہے "وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اُڑ سکتے تھے" (ص ۵۴۳)

اس تفسیر کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بیشتر مقامات پر مولانا نے ترکیب و تشریح کے صاف اور سیدھے اقوال کو اختیار کیا ہے، اور اپنے ماخذ کی عربی عبارتوں کے اقتباسات بھی ساتھ دیدیئے ہیں: اس سے اہل علم کو بڑی آسانی ہو گئی ہے، لیکن اگر یہ عبارتیں حاشیے پر کر دی جاتیں تو شاید اردو خواں حضرات کے لئے زیادہ سہولت ہوتی۔

اور تفسیر کی چوتھی خصوصیت تو مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے نام سے خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہے زبان و اسلوب کی حلاوت اور بے تکلفی۔[1]

اب ہم چند ان چیزوں کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے تفسیر کے مطالعہ کے دوران ہمارے دل میں خلش پیدا ———— سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کئی مقامات پر کچھ ایسا اجمال پایا جاتا ہے جس سے بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی، بلکہ اس سے غلط مطلب بھی نکل سکتا ہے مثلاً صفحہ ۷۴ پر ہے:

"آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم رکھتا ہے یا محض خلاء و منتہائے نظر ہے، اس قسم کے مسائل کا تعلق تمامتر دنیوی تجربی علوم سے ہے، قرآن کو تو آسمان کا صرف وہی وصف بیان کرنا تھا جو سلسلۂ نبوت بشری و خلافتِ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے"

بلاشبہ ہیئت کے مسائل قرآن کریم کا موضوع نہیں لیکن جب خود قرآن کریم نے سات "تہہ بر تہہ" آسمانوں اور ان کے دروازوں کا صراحۃً ذکر فرمایا ہے تو اسے محض خلاء و منتہائے نظر سمجھنے کا احتمال باقی ہی کہاں رہا؟ رہ گئی موجودہ سائنسدانوں کی بات تو وہ زیادہ سے زیادہ "عدمِ علم" ہے، "علمِ عدم" تو نہیں۔ صفحہ ۷۷ پر ہے۔

"یہ روایت کہ حضرت حوا کی پیدائش حضرت آدم کی پسلی سے ہوئی ہے، توریت کی ہے ..... بعض حدیثی روایتیں جو اس مضمون کی مروی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی ایسی نہیں ہے جسے قطعی صحت کا درجہ حاصل ہو۔ اور قرآن مجید نے اس سلسلہ میں سورۃ النساء اور سورۃ الاعراف میں جو کچھ کہا ہے اس کی تعبیر اور طریقوں سے بھی ہو سکتی ہے"

یہاں فاضل مصنف سے سخت تسامح ہوا ہے، یہ روایت صحیح بخاری و مسلم دونوں میں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ص ۲۸۰)

---

[1] افتتاحیہ میں صفحہ ۴ پر ہے "یا تو..... اور یا اس لئے دو مشہور الخ" "ہم" "اور" اور "یا" کو متضاد سمجھتے تھے۔ "اور" کا لفظ دو چیزوں کو جمع کرنے کے لئے ہے، جبکہ "یا" دو میں سے ایک بیان کرنے کے لئے۔ اس لئے دونوں لفظوں کو اس طرح جمع کرنا ہم درست نہیں سمجھتے تھے، مولانا کے کلام میں یہ اجتماع دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اگر ہمارا یہ اعتراض ہماری کوتاہ فہمی پر مبنی ہو اور کوئی صاحب اس کی تحقیق سے ہمیں مطلع فرما دیں تو ہم ممنون ہوں گے۔ (م۔ت۔ع)

اگر صحیح احادیث حجت ہیں تو ایسی صحیح اور قوی الاسناد حدیث کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے؟ قرآن کریم نے سورۂ نساء اور سورۂ اعراف میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی اور تعبیریں ہو تو سکتی ہیں مگر ظاہر، متبادر اور مقبول عام تعبیر تو یہی ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ ہم بالکل نہیں سمجھ سکے کہ مولانا نے اس روایت کی تردید کی کیا ضرورت محسوس فرمائی ہے؟

صفحہ ۱۱۹ پر ہے:

"یہ ہیں کون لوگ جن کے اوپر ذلت اور تنگ حالی مسلّط کر دی گئی ہے؟ ضمیر کا مرجع "الیھود" نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہے۔ یعنی اس وعید کے مورد فلاں فلاں عقیدے رکھنے والے فلاں مسلک کے ماننے والے نہیں بلکہ اسرائیلی نامی (؟) ایک متعین قوم و نسل ہے۔"

یہ بات بھی بہت ہی محلِ نظر ہے، قرآن کریم میں بلاشبہ لفظ تو "بنی اسرائیل" کا استعمال ہوا ہے، لیکن ان کی جتنی باتیں قرآن کریم نے ذکر فرمائی ہیں اور ان پر جتنے حکم لگائے ہیں، وہ اس حیثیت سے نہیں کہ وہ اسرائیل کے بیٹے ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ ایک خاص مسلک کے ماننے والے ہیں، صرف قوم و نسل کی بنیاد پر کسی کو مغضوب اور معتوب قرار دینا اسلام کے مجموعی مزاج کے بھی بالکل خلاف ہے، قرآن نے ہمیشہ غضب و عتاب عقائد اور مسلک پر کیا ہے نہ کہ رنگ و نسل پر۔

صفحہ ۳۵۱ پر ہے:

"تین ابتدائی اسلامی غزوات کے جغرافی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لو کہ لڑائی کی ابتدا کس نے کی؟ الخ"

اگرچہ ص ۳۵۷ پر مولانا کی ایک عبارت سے مستنبط ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اقدامی جہاد بھی جائز ہے۔ لیکن اس مقام پر مولانا کی عبارت کا اختصار پڑھنے والے کو یہی تاثر دے گا کہ "لڑائی کی ابتدا کرنا شریعت میں درست نہیں، اس مسئلے کی شرعی و عقلی حیثیت کو اس مقام پر واضح کر دیا جاتا تو اچھا ہوتا۔

ایک بات جو پوری تفسیر میں شدت کے ساتھ کھٹکی یہ ہے کہ مولانا نے تفسیر المنار کے اقتباسات بڑی کثرت کے ساتھ اپنی تفسیر میں درج کئے ہیں، اور اکثر مقامات پر تو اس پر سکوت ہی اختیار فرمایا ہے اور بعض جگہ ان کی تضعیف بھی کی ہے اور بعض جگہ ان کی تائید بھی

ہماری گذارش

یہ ہے کہ تفسیر المنار کے مصنف ہوں یا مرتب، دونوں اپنی وسعتِ مطالعہ کے باوجود ذہنی طور پر مغربی افکار سے اتنے مرعوب اور جمہور سے اختلاف کرنے کے لئے اتنے شوقین ہیں کہ ان کی تفسیر جگہ جگہ جمہور امت کے جادۂ اعتدال سے ہٹ گئی ہے، اور بعض مقامات پر تو یہ حضرات نہایت خطرناک اور بے سروپا باتیں بھی لکھ گئے ہیں، ایسی حالت میں ان کی تفسیر کسی طرح بھی اس لائق نہیں ہے کہ وہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا ماخذ بنے۔ مولانا کی حیثیت اس وقت ایک مقتدا کی ہے۔ انہوں نے تو "منار" کے اقوال احتیاط کے ساتھ لئے ہوں گے لیکن جو لوگ "منار" کو مولانا کا ماخذ سمجھ کر اس پر اعتماد کریں گے کیا وہ کسی حد پر قائم رہ سکیں گے؟ مرورِ زمانہ کے ساتھ بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں مشہور معتزلی مفسر ابو مسلم اصفہانی کے اقوال بکثرت نقل فرمائے ہیں اور بیشتر مقامات پر ان کی سخت تردید بھی کی ہے، البتہ چند جگہوں پر انہوں نے یہ اقوال بغیر کسی تنقید کے بھی درج کر دیئے ہیں۔ آج لوگ ان کے اس طرزِ عمل کی بنا پر ڈنکے کی چوٹ یہ کہہ رہے ہیں کہ امام رازی ابو مسلم اصفہانی کے بڑے مداح تھے۔ یہاں تک کہ اب ابو مسلم اصفہانی کی تفاسیر کا مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اور تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ یہ امام رازیؒ کے پسندیدہ مفسر کی تفسیریں ہیں۔

•

لہٰذا ہماری طالب علمانہ رائے یہ ہے کہ مولانا مدظلہم کو اس قسم کی تفسیروں کے نقل کرنے سے ہی پرہیز کرنا چاہئے

چہ جائیکہ جن مقامات پر انھوں نے جمہور سے اختلاف کیا ہے وہاں ان کی توثیق وتائید بھی ہو۔ خاص طور سے صفحہ ٥٢٤ اور صفحہ ٤٤٠ پر "موت" کے جو معنی صرف "المنار" کے حوالہ سے بیان فرمائے گئے ہیں نظرِ ثانی کے مستحق ہیں۔ لغت اور استعمال میں ایک لفظ کے کئی کئی حقیقی اور مجازی معنی ہو سکتے ہیں، مگر قرآن کریم میں متبادر اور حقیقی معنی سے عدول صرف اس وقت کیا جائے گا جب کوئی عقلی یا نقلی مجبوری ہو۔ علامہ بدرالدین زرکشی رح وغیرہ نے تفسیر کے اس اصول کو بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

بہرکیف! ان چند باتوں سے قطع نظر، تفسیر ماجدی ہمارا ایک قیمتی دینی وعلمی سرمایہ ہے، اور خاص طور سے تعلیم یافتہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ہوگا۔ کتابت وطباعت کے لحاظ سے بھی یہ ایڈیشن اچھا ہی ہے، اور پہلا ایڈیشن کتابت وطباعت کے اعلیٰ معیار کے باوجود جس بدذوقی کے ساتھ چھپا تھا یہ ایڈیشن اپنی ترتیب ونشست کے اعتبار سے اتنی ہی خوش ذوقی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

(م ت ع)

مقامِ صحابہ رض | از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرتبہ عاصم نعمانی۔ شائع کردہ مکتبہ آئین ریلوے روڈ لاہور۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ کے ١٧١ صفحات کتابت وطباعت معیاری عکسی۔ قیمت نیوز پرنٹ ٧٠ پیسے، سفید کاغذ ٨٥ پیسے۔

اس مختصر رسالہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ان تحریروں کو جمع کیا گیا ہے جن سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب وفضائل پر روشنی پڑتی ہے، یہ تحریریں مولانا کی مختلف کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ "خلافت وملوکیت" کی اشاعت کے بعد سے مولانا پر جو شدید اعتراضات کئے جارہے ہیں، بظاہر اس کتابچے کا مقصد ان اعتراضات کے جواب میں یہ دکھانا ہے کہ مولانا صحابۂ کرام رض کے فضائل ومناقب کے معترف ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں مولانا کے مختلف مضامین کے اقتباسات سے حضرات صحابہ کے متعلق جو عقیدہ اور نظریہ پیش کیا ہے کہ صحابۂ کرام رض کو برا کہنے والا فاسق ہی نہیں بلکہ اس کا ایمان بھی مشتبہ ہے بلاشبہ حق وصحیح اور تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور دعا ہے کہ ان کو اور ہم سب کو اسی عقیدہ پر استقامت نصیب ہو۔ لیکن خلافت وملوکیت کا وہ حصہ جو مشاجرات صحابہ سے متعلق ہے وہ اس کی بالکل ضد ہے، اس کا پڑھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے مصنف کا عقیدہ صحابۂ کرام کے متعلق وہی ہے جو ترجمان القرآن میں لکھا گیا ہے۔

متعلق وہی ہے جو اس کتابچے میں ترجمان القرآن کے حوالہ سے لکھا گیا ہے؟

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ جب تک "خلافت وملوکیت" کے ان سخت قابل اعتراض حصوں کی اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک یہ کتابچہ ان اعتراضات کو ہرگز دور نہیں کر سکے گا جو بجا طور سے مولانا پر کئے گئے ہیں، آجکل مولانا مودودی صاحب برطانیہ میں زیر علاج ہیں، ہماری پُرخلوص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت کاملہ عطا فرمائے اور وہ وطن واپس آکر ان سنگین غلطیوں کی کما حقہ، تلافی کریں۔

(م۔ ت۔ ع)

حدیث: جب تم روزہ کھولنے لگو تو کھجوروں سے افطار کرو کیوں کہ کھجور سراپا برکت ہے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے روزہ کھول لے کیونکہ وہ ظاہر وباطن کو پاک کرنے والا ہے۔ (ترمذی عن سلمان بن عامر رض)

حدیث: موسم سرما میں روزہ رکھنا مفت کا ثواب ہے (ترمذی عن عامر رض)

فضائل رمضان صیام مفت طلب فرمایئے۔
پتہ: مدرسہ صدیقیہ الیس سیکٹر ٥١ کورنگی کراچی

دینی مدارس کے طلباء کے لئے خوشخبری

دار العلوم میں تخصص فی الفقہ کا اجراء

نصاب اور نظام کی تفصیلات کے لئے دیکھئے البلاغ کا شمارہ شعبان ۱۴۰۰ھ

شرائط داخلہ

(۱) —— اس شعبہ کے لئے صرف وہ طلباء اپنی درخواستیں ارسال کریں جو:
(الف) کسی معروف دینی درسگاہ سے اعلیٰ درجہ میں فارغ التحصیل ہوں۔
(ب) اردو تحریر و انشاء کی اچھی صلاحیت کے حامل ہوں۔
(ج) فقہ اور اصول فقہ میں خصوصی استعداد و مناسبت رکھتے ہوں۔
(۲) —— تقریری امتحان داخلہ مندرجۂ ذیل کتابوں میں لیا جائے گا۔
بیضاوی یا جلالین۔ صحیح بخاری۔ ہدایہ کامل۔ شرح عقائد۔ مختصر المعانی۔ مقامات حریری۔ سلم العلوم اور میبذی۔
اس کے علاوہ اردو تحریر و انشاء کی صلاحیت کا بھی امتحان کیا جائے گا۔

وظیفہ

جو طلباء امتحان داخلہ میں کامیاب ہو کر اس شعبے میں داخل ہوں گے، انہیں فراغت تک پچاس روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔

داخلے ۱۵ شوال ۱۴۰۰ھ سے شروع ہو کر یکم ذیقعدہ ۱۴۰۰ھ کو ختم ہو جائیں گے۔
بہتر ہے کہ خواہشمند طلباء دار العلوم آنے سے قبل ہی اپنی درخواستیں ارسال کر دیں —— درخواستیں اس پتہ پر بھیجی جائیں

مولانا قاری رعایت اللہ صاحب، ناظم اعلیٰ دار العلوم کورنگی کراچی